

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝﴾

”اللہ تعالیٰ یقیناً ان مسلمانوں سے راضی ہو چکا جب وہ (کیکریا پیری) کے درخت کے تلے (حدیبیہ میں) تجھ سے بیعت کر رہے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے جان لیا جو (اخلاص) اُن کے دلوں میں تھا تو ان (کے دلوں) پر تسلی اتاری اور ایک نزدیک والی فتح اُن کو انعام میں دی (یعنی خیبر کی فتح)۔

اور بہت سی غنیمتیں جو وہ حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

صحیح بخاری [رقم: ۳۶۹۷] میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ”ہم نبی مکرم ﷺ کے زمانے میں ابوبکر (الصدیق رضی اللہ عنہ) کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، پھر عمر (فاروق رضی اللہ عنہ) کے، اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے۔ اس کے بعد ہم نبی کریم ﷺ کے اصحاب کے مابین فضیلت میں درجہ بندی نہیں کیا کرتے تھے۔“

حدیث مذکور اور اس کے علاوہ دیگر بہت سی احادیث نیز قرآن مجید کی متعدد آیات اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امت محمدیہ کے افضل ترین شخص ہیں، باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت و برتری ان کے بعد ہے۔ حدیث مذکور کے الفاظ کے مطابق دو باتیں بہت توجہ طلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں جمع متکلم (کُنَّا) کا صیغہ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر کی ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی متفقہ رائے ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ موازنہ عہد رسالت میں ہوا کرتا تھا جب کہ قرآن بھی نازل ہو رہا تھا۔ بلکہ امام طبرانی رضی اللہ عنہ کی روایت میں تو مزید یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ ((فَيَسْمَعُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ فَلَا يَنْكَرُهُ)) [فتح الباری تحت حدیث، رقم: ۳۵۶۶] یعنی رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں صحابہ رضی اللہ عنہم یہ گفتگو کیا کرتے تھے، آپ ﷺ یہ ساری گفتگو سنا کرتے تھے اور اس کا انکار نہیں کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی رضی اللہ عنہ نے صحیح بخاری کے باب فُضِّلَ أَبِي بَكْرٍ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے تحت صحابہ کرام کی فضیلت میں درجہ بندی کے متعلق متعدد مختلف اقوال نقل کیے ہیں اور سب سے اخیر میں فرمایا ہے کہ:

”امام بیہقی نے بسندہ امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ تمام صحابہ کرام اور تابعین عظام کا اجماع ہے کہ (امت مسلمہ میں سے) ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، اور پھر علی رضی اللہ عنہ۔“

چنانچہ اسی سلسلے کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

(ترجمہ) ”ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے مابین کسی بات پر تکرار ہوگئی، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سخت گفتگو کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ غصے میں آگئے اور اسی غصے میں وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اُن کے پیچھے ہو لیے اور معذرت کرنے لگے مگر عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کی ایک نہ سنی، سیدھے گھر پہنچے اور دروازہ بند کر لیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے (معاط کو بھانپتے ہوئے) فرمایا: ”تمہارا ساتھی پریشان لگتا ہے یا یہ کہ خیر میں سبقت لے گیا ہے۔“ ادھر عمر رضی اللہ عنہ بھی نادم ہوئے تو وہ بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے، سلام کر کے آپ کے سامنے بیٹھ گئے اور سارا واقعہ سنایا، آپ غصے میں آگئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ اللہ کے رسول! اللہ کی قسم مجھ سے زیادتی ہوئی ہے۔ رسول مکرم نے فرمایا: کیا تم لوگ میرے ساتھی کو چھوڑ دو گے؟ کیا تم لوگ میرے صاحب کو چھوڑ دو گے؟ سنو! جب میں نے اعلان کیا کہ ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا، وَقُلْتُمْ: كَذِبْتَ، وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: صَدَقْتَ)) ”میں تم تمام کی طرف رسول بن کر آیا ہوں تو تم سب نے کہا تھا کہ تم غلط کہتے ہو مگر ایک ابوبکر (ہی تھا جس) نے کہا تھا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔“ [صحیح بخاری، رقم: ۳۶۶۱، ۴۶۶۰]

اس حدیث سے بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ اور پوری امت پر فضیلت و مرتبت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

(حافظ عبدالوحید)

فہرست

1		جواہر پارے
2	سیدنا ابوبکر صدیقؓ	کلمہ طیبہ
5	صرف سنے ہی سنے	اداریہ
7	سورۃ الفاتحہ..... (۲)	درس قرآن
11	اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کہاں ہے؟	عقائد و ایمانیات
15	آدابِ فتاویٰ..... (۲)	اخذ و اقتباس
18	اسلامی مہینے اور ان کا تعارف..... (۲)	مضامین و مقالات
23	فیشن پرستی اور عریانی	مضامین و مقالات
25	”طالبان“ نام کی حکومت	روزن تاریخ
27	اصل سکندر اعظم	انکار معاصرین
30	تبصرہ کتب	تبصرہ کتب
32	فہرست کتب	فہرست کتب
35	کلام اللہ کے فضائل و محامد..... (۲)	شعر و ادب

من الكتاب

﴿ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۚ ﴾ [الزمر: ۱-۳]

”یہ کتاب نازل کردہ ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے (اور) حکمت والا۔ یقیناً ہم ہی نے اتاری تمہاری طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ سو تم عبادت کرتے رہو اللہ کی خالص کرتے ہوئے اُس کے لیے دین (یعنی اطاعت) کو۔ خبردار! اللہ ہی کے لیے ہے بندگی خالص“

من الحكمة

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
«مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيُثْبِتَ الْجَهْلُ وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيُطَهَّرَ الزُّنَى»
[مسلم: ۲۶۷۱]

”قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا اور جہالت قائم ہو جائے گی یا پھیل جائے گی اور شراب پی جائے گی اور زنا ظاہر کھلم کھلا ہوگا۔“

برے اعمال و اخلاق وغیرہ سے پناہ مانگنے کی دعا

زیاد بن علاقہ اپنے چچا سے راوی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اکثر) یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ»

”الہی! میں تیرے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں برے اخلاق و اعمال سے اور بری خواہشات سے۔“

صرف سخن ہی سخن

حافظ احمد شاکر

اداریہ

گزشتہ چند دنوں سے فلسطینی مسلمانوں پر اسرائیل نے جو ظلم و ستم شروع کر رکھا ہے اس سے سینکڑوں فلسطینی مسلمان خواتین اور بچے جاں بحق ہو چکے ہیں، انسا للہ وانا الیہ راجعون۔ امریکا نے اسرائیل کو زمینی حملوں کا حق دے دیا ہے اور برطانیہ نے نہتے فلسطینیوں پر اسرائیل کے حملوں کو ”دفاع“ کا نام دے دیا ہے۔ خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا ”ظلم“ کرشمہ ساز کرے۔ اخبارات کے..... محتاط..... اندازے کے مطابق اب تک ساڑھے پانچ سو کے قریب افراد اسرائیل کے اس ظلم کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ لیکن 9/11 کے واقعے پر اوپلا مچانے والے اور 7/7 کے بعد برطانوی مسلمانوں پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑنے والے حقوق انسانی کے نام نہاد علم بردار اب نہ صرف یہ کہ خاموش ہیں بلکہ ظالموں کی وکالت بھی کر رہے ہیں اور ان کو ہلا شیر بھی دے رہے ہیں۔

ظالم تو ہیں ہی ظالم ان کے لیے دلائل مہیا کرنے والے اور ان کا حوصلہ بڑھانے والے بھی ظلم میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ یہاں ایک استفہام ذہن میں آتا ہے کہ بعض وہ مسلمان حکمران جو نہتے افغان مسلمانوں پر امریکی شب خون کو امریکا ہی کی ہمنوائی میں دہشت گردی کے خلاف جنگ قرار دیتے رہے اور سو فیصد جھوٹی رپورٹوں کی بنیاد پر سرزمین عراق کو بے گناہوں کے خون سے سرخ کرنے پر..... جو 100 فیصد صرف تیل کے چشموں پر قبضہ کے لیے تھا..... سامراج کی تائید کرتے رہے انہیں کیا نام دینا چاہیے؟ اسرائیل کی آتش حسد مسلمانوں کے خون سے مزید بھڑک رہی ہے اور ان کی آبادیوں کو تہس نہس اور جلا کر خاکستر کر رہی ہے۔ جب کہ مسلم امہ ابھی تک مراقبہ ہی سے سر نہیں اٹھا رہی۔ شروع میں صرف ایک مقتدر سعودی عالم نے فتویٰ جاری کیا تھا کہ ”فاقتلوہم حیث وجدتموہم“۔ (یعنی یہودی) جہاں ملے مار ڈالو“ نیز فانا (پاکستان) کے ایک مفتی صاحب نے امت پر جہاد کی فرضیت کا فتویٰ جاری کیا تھا لیکن دنیا کی واحد نظریاتی مملکت کے حکمران ابھی تک حالت استعارہ میں ہیں یعنی دنیائے کفر کے بارے میں ان کے مونہہ سے کوئی جرأت مندانہ کلمہ شاید اس لیے نہیں نکل رہا کہ کہیں اس کو گستاخی نہ سمجھ لیا جائے اور نہ مظلوم فلسطینی مسلمانوں کی دامے درمے حمایت اور تعاون کے بارے میں اب تک کوئی پالیسی یا بیان ہی نظر سے گزرا ہے۔ صرف سخن سخن ہی سے اخبارات کے صفحات بھرے ہوتے ہیں اور بس۔

قضیہ فلسطین کا ایک اور المناک پہلو یہ ہے کہ اسے مسلم یہود تنازعے کی بجائے عرب اسرائیل تنازعے کا نام دے دیا گیا ہے حتیٰ تقریباً تمام عرب ممالک بھی اسے عرب اسرائیل تنازع ہی قرار دیتے ہیں۔ اس حوالے سے اب چاہیے تو یہی تھا کہ عرب ممالک اس ظلم و تعدی کے آگے بند باندھتے مگر افسوس! کہ ایسا ہوتا دور دور کہیں نظر نہیں آتا۔ ہم چوں کہ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ عرب اسرائیل تنازع ہے اس لیے اپنے علم و آگہی کے قاصر ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے ہمارے ذہن میں ایک سوال بار بار کروٹ لے رہا ہے کہ ساٹھ سال میں گنتی کے چند یہود عربوں مسلمانوں کے قابو کیوں نہیں آ رہے؟ کیا لارنس آف عربیہ کے کردار اب بھی مسلم امہ میں موجود ہیں؟ یا کمین گاہوں میں اپنے ہی دوست اس ناکامی کا باعث بنے ہوئے ہیں؟ ہماری معلومات اس زاویے سے بھی اذھوری ہیں کہ فلسطینی مسلمان یہ جنگ اب تک ارض فلسطین کے حصول اور یہود سے واپس لینے کے لیے لڑ رہے یا علانے کلمۃ اللہ کے لیے۔ دور حاضر میں چوں کہ مسلم امہ مرکزیت سے محروم ہے اس لیے ہر مسلمان اپنا دینی مرکز اور قلب و نگاہ کا بلجا و ماویٰ المملکت العربیۃ السعودیہ ہی کو قرار دیتا اور اس کی آواز پر لبیک کہنے کے لیے عموماً آمادہ رہتا ہے۔ کیا ”مملکت“ مسلم امہ کی قیادت قبول کرتے ہوئے اس کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتی؟ حق کی بات یہ ہے کہ جب تک مسلمان دوسرے مسلمان کے درد کو اپنا نہیں سمجھے گا، اس کے دکھ کو اپنا دکھ نہیں جانے گا اس کے زخموں کے ٹیس اپنے وجود پر محسوس نہیں کرے گا اور حدیث نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق تمام امت جب تک کجسود واحد ایک جسم کی طرح نہیں

ہوگی تب تک کفر مسلمانوں کو بونہی روندنا رہے گا کچلتا رہے گا اور تباہ کرتا رہے گا۔ یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ امت مسلمہ ایک ہو، اپنے علاقائی مسائل، وقتی مفادات اور سیاسی مصلحتوں سے بالا ہو کر ان کا مرکز ایک ہو جس سے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کا اعلان ہو جس کی ابتدا فلسطین سے ہو اور اس جذبے سے ہو جس جذبے سے نبی ﷺ نے مدینہ منورہ سے یہود کو نکالا تھا۔ وہ جذبہ یعنی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کا اعلان ہو اور اس کو امت کی سطح پر شروع کر دیا جائے تو پھر یہ ممکن ہی نہیں کہ یہود فلسطین میں رہ سکیں کیوں کہ ان کے لیے ضَرْبَتْ عَلَیْهِمُ الدَّلَالَةُ اَیْنَمَا تُقَفُّوْا [آل عمران: ۱۱۳] کی سزا کا اعلان اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے۔

برسوں کی خطائیں:

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی عوامی جمہوری حکومت سے حکومتی معاملات و انتظامات ابھی تک سنبھل نہیں رہے۔ خارجہ و داخلہ پالیسی ابھی ماضی کے حکم رانوں اور حکومت کا تسلسل ہی نظر آ رہی ہے۔ مہنگائی و بد امنی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آٹا، گھی، چینی و دیگر اشیائے ضرورت کی مہنگائی روز افزوں ہے۔ بجلی جو وطن ہی میں پیدا ہوتی ہے اس کی لوڈ شیڈنگ نے زراعت، صنعت اور تجارت بلکہ گھریلو زندگی تک کو مفلوج کر رکھا ہے۔ حکم ران پارٹی کے ماضی بعید کے دور میں بجلی کے پیداواری پروجیکٹ پرائیویٹ سیکٹر کو بیچ دیئے گئے تھے، اُس وقت غالباً ایک روپیہ بی بی یونٹ اس کا کرایہ تھا۔ بعض تجزیہ نگاروں نے اس وقت یہ پیش گوئی کی تھی کہ نجی شعبہ کو سپرد کرنے کے بعد اس کا نرخ = 6 روپے فی یونٹ جانے تک کا امکان ہے یہ پیش گوئی صرف پوری ہی نہیں ہو رہی بلکہ اپنی حدود کو پہلانگ بھی رہی ہے۔ ایک اور بات بھی غور طلب ہے کہ سرکاری ”وشرعی“ ایام میں جو چراغاں کیا جاتا ہے وہ صرف نمائش ہی نمائش ہوتی ہے۔ نہ کسی حکومت کی مجبوری ہے نہ ضرورت، کسی فقہ نے اس کی ترغیب تو کیا دینی ہے اس کو اسراف و تبذیر کہہ کر اس پر زجر و توبخ کی ہے۔ لہذا اس پر پابندی لگنی چاہیے۔ ایسے ہی گیس ہے جس کا پہلے گھروں کو عادی بنایا گیا پھر ٹرانسپورٹ میں اس کو..... ارزانی کے نام پر..... رائج کیا گیا۔ مارکیٹ بنا کر اور کھپت کے مواقع پیدا کرنے کے بعد اب اس کی قیمت میں مسلسل تیزی کے علاوہ اس کی نایابی اور لوڈ شیڈنگ نے صنعت اور ٹریڈ کا پیہ جام اور گھر کے چولہے تک بجھا دیے ہیں۔ حکومتی ارشادات و فرمودات کے تحت حکومت کا اگر چھوٹا موٹا مقروض..... مکان کے قرضے یا کاروباری قرض کی..... قسط ادا نہ کرے تو اس بے چارے کی شامت آ جاتی ہے۔ لیکن اخبارات کے مطابق بڑے بڑے سرکاری عہدیدار اور بڑے بڑے ادارے بجلی اور گیس کے لاکھوں کروڑوں کے بل ادا نہیں کرتے جس بنا پر یہ ادارے اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے آئے دن ان کے نرخ بڑھاتے رہتے ہیں اور اس کی سزا غربا اور سفید پوش طبقے کو جھگنتی پڑتی ہے۔ یہی حال تیل کا ہے۔ اس کا علم رکھنے اور حساب کرنے والوں کا کہنا ہے کہ حکومت پاکستان فی لیٹر کم و بیش 30/- سے 40/- روپے کم رہی ہے۔ عالمی منڈی میں جو تیل 160/- ڈالر فی بیرل ہو گیا تھا جس پر حکومت نے مہنگائی کا طوفان کھڑا کیا تھا، اب وہی تیل 40/- ڈالر فی بیرل سے بھی نیچے آ گیا ہے۔ جب کہ یہاں تیل کے نرخ انیس بیس کے فرق کے ساتھ وہی ہیں۔ حکومت کے اس رویے کے باعث عوامی ٹرانسپورٹ کے کرائے بھی کم نہیں ہو رہے۔ اسی طرح ادویات کی قیمتوں کی بڑھوتی رکنے میں نہیں آ رہی۔ حکومت پنجاب جعلی ادویات کی روک تھام میں جو کوشش کر رہی ہے وہ قابل تحسین ہے۔ وزیر اعلیٰ اگر ادویہ ساز کمپنیوں پر ڈاکٹر کو ”تحائف“ کے نام پر دی جانے والی داد و دہش پر بھی سختی سے پابندی لگائیں کہ گراں قیمت دوا ساز کمپنیاں اپنا برنس ایسے ہی طور طریقوں سے بڑھا کر غریب کو دواؤں سے محروم رکھتی ہیں، تو یہ بھی ایک کارنامہ ہوگا۔

پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں شہباز شریف نظام کی اصلاح کی تک و دو تو بہت کر رہے ہیں جس کے لیے وہ افراد، پالیسیاں اور طریق کار میں تبدیلیاں بڑی تیزی سے کر رہے ہیں لیکن برسوں کی خطائیں دنوں میں تو درست نہیں ہوتیں۔ ان کے تجربے بلکہ عملی تجربے کے سامنے مشورہ دینا سورج کو چراغ دکھانا ہی ہے تاہم بے صلاحیت..... یعنی سفارشی..... تقرریاں، بے جا عطاء، خاندانی اور پیشہ وروں کی خوشامد و چا پلوسی سے اپنے آپ کو جس قدر محفوظ رکھیں گے اتنی ہی آزمائشوں سے محفوظ رہیں گے اور جس قدر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے آگے جھکیں گے، تعلق رکھیں گے، توفیق خیر طلب کریں گے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ ساتھ مظلوموں، بے کسوں اور مساکین کی دعائیں لیں گے اسی قدر اللہ تعالیٰ انھیں خیر و برکت سے یقیناً نوازے گا۔ ان شاء اللہ

سورة الفاتحه ۲

..... اردو ترجمہ

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ (م: ۱۲۳۰ھ)

..... حواشی

①..... موضح القرآن (حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ)

②..... احادیث التفاسیر (حضرت مولانا حافظ حمید اللہ میرٹھی رحمہ اللہ - م: ۱۲۳۰ھ)

③..... احسن الفوائد (مولانا ڈپٹی سید احمد حسن صاحب دہلوی رحمہ اللہ - م: ۱۳۳۸ھ)

شرح المفردات: حافظ عبدالوہید

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال صلى الله عليه وسلم الصبح فنقلت عليه القراءة فلما انصرف قال: «إني لأراكم تقرأون من وراء إمامكم؟» قال: قلنا: أجل والله يا رسول الله هذا. قال: «فلا تفعلوا إلا بأم القرآن فإنه لا صلوة لمن لم يقرأ بها»
 ”رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی اور آپ کو قراءۃ کرنا دشوار ہوا۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا کہ شاید تم لوگ امام کے پیچھے پڑھتے رہتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں قسم ہے اللہ تعالیٰ کی یا رسول اللہ! ہم لوگ جلدی جلدی پڑھتے جاتے ہیں۔ فرمایا: اور کچھ مت پڑھا کرو، صرف الحمد پڑھ لیا کرو کیوں کہ اُس کے بغیر تو نماز نہیں ہوتی۔“ [دارقطنی، ص: ۲۰ دارقطنی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن یعنی اچھی سند کی ہے۔]
 دوسرے صفحے میں اس مضمون کی حدیث کے متعلق کہا ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ یعنی پکے ہیں۔ تخریج ہدایہ میں اس مضمون کی حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ ابوداؤد میں بھی ایسی ہی سند سے ہے جس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور ترمذی نے کہا کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ خطابی نے کہا اس حدیث کی سند جید ہے۔ اس میں کوئی راوی ایسا نہیں جس پر طعن ہو سکے۔ حاکم نے کہا کہ اس حدیث کی سند ٹھیک اور ثابت ہے۔ [تخریج فاروقی، ص: ۹۴]
 امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [جزء القراءۃ فاروقی، ص: ۳۲ وغیرہ] ابن حبان اور حاکم اور بیہقی نے بھی حدیث قراءۃ خلف الامام کو صحیح بتایا ہے۔ [تلخیص فاروقی، ص: ۸۷]

فاتحہ خلف الامام کے متعلق چند اشکالات اور ان کے جوابات:

①..... بعض لوگ اس حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ میں ابن اسحق وغیرہ کی وجہ سے کچھ کلام کرتے ہیں سو اس کی خوب خوب تنقیس ہو چکی ہیں جس کا جی چاہے وہ رسالہ البرہان الحلی و تعلیم المبتدی (مطبوعہ بنارس) اور ہدایت المعتقدی (مطبوعہ فاروقی) کو دیکھے۔ علاوہ برین بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ تو کامل طور پر حدیث متفق علیہ سے ثابت ہو چکا ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ اگر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہوتی ہی نہ تب بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ اب جو ہے تو اس حدیث کی تفسیر بالتشريح ہے سوائی بات کے لیے ضعیف حدیث بھی کافی ہوتی ہے۔ دوسرے گھنگھو تو برسبیل تنزل کی جا رہی ہے ورنہ بخاری، ترمذی، ابوداؤد، دارقطنی، خطابی، حاکم، ابن حبان، بیہقی جیسے امام اور حافظ الحدیث جب اس حدیث کو صحیح کہہ چکے تو ان کے بعد تمام دنیا میں ایسا کون

ہے جس کی بات اس جماعت کی بات کو باطل اور بے کار ثابت کر سکے۔ ایک اکیلے بخاری رحمہ اللہ ہی کو اللہ تعالیٰ نے اس فن میں وہ مرتبہ دیا ہے کہ اس کی مخالفت کرنی لو ہے کے چنے ہیں اور جب کہ اور بھی کتنے امام اور حفاظ اس کے ساتھ ہوں تو پھر اس بات کا رد کہاں؟

⑤..... بعض کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں ہے: ﴿إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ یعنی ”جب قرآن شریف پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو“ بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم نماز کے بارے میں آیا ہے۔ پس یہ معنی ہوئے کہ جب نماز میں قرآن شریف پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو۔ چنانچہ اس آیت کی رو سے مقتدی کو پڑھنا منع ہوا۔

مگر یہ عذر اور اعتراض بھی قابل قبول نہیں۔ کیوں کہ اول تو اس آیت کی شان نزول میں چند مختلف اقوال ہیں، اور چند اقوال میں سے ایک قول کا متعین ہونا کسی مضبوط دلیل کے بغیر ممکن نہیں، اور جب یہ ناممکن ہے تو ہر ایک بات کا احتمال باقی رہا اور جب احتمال رہا تو استدلال یعنی کسی خاص قول کے لیے حجت (دلیل) پکڑنا باطل ہوا (إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال) اور اس بات کی ضرورت بھی اُس وقت پڑے گی جب اُن چند اقوال میں سے کوئی قول یہ بھی ہو کہ مقتدی کو الحمد پڑھنے کی ممانعت میں یہ آئی ہے۔ مگر ایسے صریح لفظ کے ساتھ ایک قول بھی نہیں۔ چنانچہ جب حالت یہ ہے کہ اس بیان والا کوئی قول کسی معتبر تفسیر میں نہیں تو پھر اس آیت سے الحمد کے منع پر استدلال کرنا محض اپنی رائے قرار پائے گا اور قرآن کی تفسیر محض رائے و قیاس سے کرنا سخت گناہ ہے۔ جیسا کہ ترمذی کتاب التفسیر میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما موجود ہے۔ [ترمذی، ج: ۲، ص: ۱۳۳]

علاوہ ازیں یہ آیت مقتدی کو الحمد پڑھنے کی ممانعت میں ہو بھی نہیں سکتی۔ کیوں کہ یہ آیت پہلے یعنی مکہ معظمہ میں نازل ہوئی جیسا کہ تفسیر جامع البیان، بیضاوی، جلالین اور اتقان وغیرہ سے ثابت ہے جب کہ مقتدی کو الحمد پڑھنے کے حکم والی حدیثیں بعد کی یعنی مدنی ہیں۔ اس لیے کہ حضرت انس وابو ہریرہ وغیرہ رضی اللہ عنہما سے ان حدیثوں کی روایتیں جو جزء القراءة بخاری اور ترمذی وابوداؤد وغیرہ میں موجود ہیں تو ان کو روایت مدینہ منورہ میں میسر آئی۔ خصوصاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ ہی سنہ سات ہجری میں ہوا ہے۔ [ریاض مستطابہ بھوپالی، ص: ۷۰] پس اس آیت سے مقتدی کو الحمد پڑھنے کی ممانعت تب ہو سکتی تھی جب کہ وہ حدیثیں پہلے کی ہوتیں اور یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ہوتی۔

⑥..... بعض کہتے ہیں کہ اگرچہ اس آیت میں الحمد کا ذکر نہیں ہے لیکن جب یہ حکم ہے کہ سنو اور چپ رہو تو یہی حکم قرار پائے گا کہ مقتدی کچھ بھی نہ پڑھے، نہ آواز سے نہ آہستہ۔ اگر اُس نے کچھ بھی پڑھا خواہ الحمد خواہ کوئی اور چیز خواہ آواز سے خواہ آہستہ تو وہ خاموش نہ رہا اور اس طرح آیت کی مخالفت لازم آئے گی۔ مگر یہ بات بھی نہیں بنتی۔ کیوں کہ مقتدی کو یہ حکم ہے کہ الحمد کو آہستہ اپنے جی میں پڑھے جیسا کہ جزء القراءة (فاروقی ص: ۱۵) میں ہے اور اس طرح آہستہ پڑھنے والے کو خاموش رہنے والا ہی کہا جائے گا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ صحیح بخاری باب ما یقرء بعد التکبیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسكت بين التكبير والقراءة اسكاتة قال: احسبه هنية فقلت: بأبي أنت وأمي يا رسول الله! اسكاتك بين التكبير والقراءة ما تقول؟ قال: «أقول: اللهم باعد بيني وبين خطاياي كما باعدت بين المشرق والمغرب - اللهم نقني من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس - اللهم اغسل خطاياي بالماء والثلج والبرد»

”رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اللہ اکبر کہہ کر کچھ دیر تک خاموش رہتے اُس کے بعد قراءۃ شروع کیا کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں تکبیر اور قراءۃ کے درمیان جو آپ خاموش رہتے ہیں اُس وقت کیا پڑھا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ اُس وقت یہ دعا پڑھا کرتا ہوں۔ اللهم باعد بيني وبين خطاياي الخ“

اس حدیث کی رو سے آہستہ یعنی دل میں پڑھنا خاموشی کے خلاف نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف ہوتیں تو

رسول اللہ ﷺ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں یوں فرماتے کہ جب یہ پوچھتے ہو کہ اُس وقت آپ کیا پڑھا کرتے ہیں تو خاموش رہنا کیوں کہتے ہو؟ جب کہ مجمع البحار میں بھی ترک جہر یعنی آہستہ پڑھنے کو سکوت کے معنوں میں لکھا ہے۔ [ص: ۱۲۵، ج: ۲] اگر مجمع البحار یا کسی دوسرے لغت میں یہ نہ بھی لکھا ہوتا تو آنحضرت ﷺ نے..... جو تمام جہان سے زیادہ فصیح و بلیغ ہیں..... اس محاورے کو قبول کیا تو بہر حال یہ محاورہ واجب التسلیم ہے کہ آہستہ پڑھنے والا خاموش رہنے والے کے حکم میں ہے۔ چنانچہ آیت کی مخالفت بھی لازم نہ آئی۔

④..... بعض کہتے ہیں کہ اگر اپنے جی میں پڑھنے کا حکم ہے تو یہ مطلب ہوا کہ اُس کے مضمون کا خیال کر لے۔ اگر زبان سے لفظوں کو ادا کیا تو یہ دل میں پڑھنا نہ ہوا بلکہ زبان سے پڑھنا ہوا۔ لیکن یہ بات بھی درست نہیں کیوں کہ الحمد کے حکم میں قراءۃ اور قول کے لفظ موجود ہیں اور دل کے خیال اور تصور پر قراءۃ یا قول کا لفظ نہیں بولا جاسکتا۔ کیوں کہ قول کہتے ہیں بات کو اور نماز میں دنیا کی باتیں کرنے سے سب کے نزدیک نماز باطل ہو جاتی ہے جب کہ دنیا کے خیالات اور تصورات سے کسی کے نزدیک بھی نماز باطل نہیں ہوتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ قول و قراءۃ ایک چیز ہے اور خیال و تصور دوسری چیز۔ پس جی میں پڑھنے سے یہ مراد ہوئی کہ ایسا آہستہ پڑھے کہ دوسرے لوگ نہ سیں۔ بھلا الحمد کا پڑھنا کیوں کر منع ہو سکتا ہے؟ اللہ پاک نے تو الحمد ہی کا نام نماز رکھا ہے۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: « قال الله تعالى: قسمت الصلوة بيني وبين عبدی نصفين ولعبدی ما سال، فإذا قال العبد: ﴿ الحمد لله رب العالمين ﴾ قال الله تعالى: حمدنی عبدی، وإذا قال: ﴿ الرحمن الرحيم ﴾ قال الله تعالى: اثنی علی عبدی، وإذا قال: ﴿ مالک يوم الدين ﴾ قال: مجدنی عبدی وإذا قال: ﴿ اياک نعبد و اياک نستعين ﴾ قال: هذا بينی وبين عبدی ولعبدی ما سال، فإذا قال: ﴿ اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين ﴾ قال: هذا لعبدی ولعبدی ما سال » [رواه مسلم، باب القراءة]

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز کو بندے کے اور اپنے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کیا ہے۔ (یعنی کچھ کلمے اللہ کے لیے تعریف کے ہیں اور کچھ بندے کے لیے حاجت اور مراد مانگنے کے)۔ جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کی۔ جب کہتا ہے الرحمن الرحیم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی۔ جب بندہ کہتا ہے مالک یوم الدین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ جب بندہ کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں ہے۔ یعنی تعریف بھی ہے اور مناجات بھی ہے اور میں اپنے بندے کے سوال کو پورا کروں گا۔ جب اهدنا الصراط المستقیم سے آخر تک کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے واسطے ہے (یعنی صرف مناجات ہے) اور میں اپنے بندے کا سوال پورا کروں گا۔“

اللہ تعالیٰ نے نماز کی تقسیم کا فرمایا اور اس کی تفسیر الحمد کے کلموں سے فرمائی۔ تو معلوم ہوا کہ الحمد نماز کا بڑا بھاری رکن ہے۔ اور یہ تو سب کا اتفاق مسئلہ ہے کہ قراءۃ بھی اسی طرح فرض عین ہے جس طرح رکوع سجدہ وغیرہ۔ پس جس طرح امام کا رکوع و سجدہ مقتدی کو کفایت نہیں کرنا اسی طرح امام کی قراءۃ بھی مقتدی کو کفایت نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر وہ حدیث صحت کو پہنچ جاتی جس میں یہ ہے کہ امام کی قراءۃ مقتدی کو کافی ہے تو بے شک ایسا ہو سکتا تھا۔ مگر وہ درجہ صحت کو نہیں پہنچتی پس الحمد کا پڑھنا مقتدی پر ضروری ٹھہرا۔

آئین:

جب الحمد ختم ہو تو اُس وقت آئین کہنا سنت ہے۔ جن نمازوں میں قراءۃ جہر سے پڑھی جاتی ہے اُن میں آئین بھی بالجہر ہی کہنی چاہیے کیوں کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أنه صلى خلف رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فجهر بآمين -
 ”وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے آمین جہر کے ساتھ کہی۔“
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ لفظ ہیں:

« اذا قال: غير المغضوب عليهم ولا الضالين، قال: آمين حتى يسمع من يليه من الصف الاول »
 ”رسول اللہ ﷺ جب ولا الضالین تک پڑھ لیتے اُس کے بعد آمین اتنے زور سے کہتے تھے کہ پہلی صف میں قریب کے لوگ سن لیتے تھے۔“ [نبیل الاوطار، ص: ۱۱۷، ج: ۲]

ابن ماجہ کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ”پہلی صف والے سن لیتے اور آمین کی آواز سے مسجد گونج جاتی۔“
 دارقطنی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور کہا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے۔ امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور کہا کہ بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ بیہقی نے بھی روایت کر کے کہا ہے کہ حسن صحیح ہے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت جو سفیان کے طریق سے ہے کہ یہ لفظ ہیں: « قال: آمين ومدبها صوته » یعنی ”میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہی۔“ اسی حدیث کی دوسری سند جو شعبہ کی روایت سے ہے اُس میں یوں ہے کہ ”آپ نے آمین آہستہ کہی۔“ مگر امام دارقطنی نے کہا ہے کہ اس میں شعبہ کو سہو ہوا ہے اور صحیح یہی ہے کہ بلند آواز سے آمین کہی۔ [تخفص: ۸۹۔ دارقطنی، ص: ۱۲۷]

یحییٰ بن سعید قطان اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ جب کبھی شعبہ اور سفیان میں اختلاف ہو تو سفیان کا قول مقدم ہوگا۔ امام بخاری اور دیگر حفاظ حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس روایت میں شعبہ سے سہو ہوا ہے اور صحیح یہی ہے کہ آپ نے آمین بہ آواز بلند کہی۔ امام بیہقی نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ تمام علمائے حدیث میں سے کسی کا اس امر میں اختلاف ہو کہ جس روایت میں سفیان اور شعبہ کا اختلاف ہوگا اُس میں سفیان کا قول مقبول ہوگا، اور خود شعبہ نے کہا ہے کہ یاد رکھنے میں سفیان مجھ سے بہتر ہیں۔ [مغنی حاشیہ دارقطنی، ص: ۱۲۷، ۱۲۸] حاکم نے صحیح سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ”جب رسول اللہ ﷺ ﴿غير المغضوب عليهم ولا الضالين﴾ کی قراءۃ سے فارغ ہوتے تو اونچی آواز سے آمین کہا کرتے تھے۔“ بیہقی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے بھی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ زور سے آمین کہتے تھے اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں روایت کیا ہے کہ عطاء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے دو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس مسجد حرم میں دیکھا کہ جب امام ﴿ولا الضالين﴾ کہتا تھا تو وہ بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔ [مغنی حاشیہ دارقطنی، ص: ۱۲۸]

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر آمین بالجہر کی اور روایات نہ بھی ہوتیں تو اس کے لیے صرف وہ روایت ہی کافی تھی جس پر حفاظ کا اتفاق ہے اور جس کے لفظ ہیں کہ ”جب امام آمین کہے تب تم بھی آمین کہو۔“ [مغنی، ص: ۱۲۸] عطاء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ”میں نے ابن زبیر وغیرہ اماموں اور سرداروں کو پایا ہے کہ خود بھی اور اُن کے مقتدی اس طرح آمین کہتے تھے کہ مسجد حرم گونج جاتی تھی۔“ [مغنی، ص: ۱۲۸، ص: ۹۸] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے: «ما حسدتكم اليهود على شيء ما حسدتكم على السلام والتأمين» [ص: ۶۲]

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہودی لوگ مسلمانوں کی کسی بات سے اتنا نہیں جلتے جتنا کہ السلام علیکم سے اور آمین سے جلتے ہیں۔“
 اس حدیث کے سب راوی اچھے ہیں۔ اس روایت سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ آمین سے اور السلام علیکم سے یہودی جلا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اُس وقت میں آمین اونچی آواز سے کہنے کا دستور تھا۔ کیوں کہ زور سے نہ کہی جاتی تو یہودیوں کا جلنا کیوں کر ہوتا؟ چنانچہ نبیل الاوطار (جلد دوم، ص: ۱۱۷) میں ہے کہ علماء نے اس حدیث سے بھی آمین بالجہر کا استدلال کیا ہے۔ مولانا بکر العلوم خفی لکھنوی نے اپنی کتاب ارکان اربعہ (ص: ۷۶، مطبوعہ علوی) میں لکھا ہے کہ آہستہ آمین کی ایک حدیث ضعیف کے سوا کوئی روایت صحیح نہیں آئی۔ [احادیث التفاسیر]

اَیْنَ اللّٰهُ؟

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کہاں ہے؟

پروفیسر ابو حمزہ سعید مجتبیٰ السعیدی (منکیرہ، بھکر)

ہفت روزہ ”الاعتصام“ کی جلد ۶۰ کے شمارہ نمبر ۴۸ میں استاذ گرامی مولانا پروفیسر سعید مجتبیٰ السعیدی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ شدہ عقیدہ توحید پر مشتمل چند سوالات اور جوابات شائع ہوئے جو اپنے مفہوم و معنی کے لحاظ سے واضح ہی تھے، تاہم مولانا عبداللہ سرور صاحب نے اس پر مختصر سوالیہ مضمون ارسال کیا۔ جسے ہم نے شمارہ ۴۹ میں من و عن شائع کر دیا۔ اس سوالیہ مضمون کی اشاعت میں محض یہ حدیث پیش نظر تھی کہ ((انما شفاء العی السوال)) تاکہ کسی جوابی مضمون سے اُن کی یا بعض دیگر قارئین کی تسلی اور اطمینان کا سامان ہو سکے۔ چنانچہ استاذ گرامی کا یہ مضمون اس سوال کے جواب کی مزید تفصیل لیے ہوئے ہے جو پیش قارئین ہے۔ [ع و]

ص: ۱۴۲، ۱۴۳) میں امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سنن (مع عون المعبود، حدیث: ۹۲۸/ج: ۱، ص: ۳۵۱، ج: ۳، ۲۲۶، کتاب الایمان والنذور، باب فی الرقبة المومنة، حدیث: ۳۲۷۰) میں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند (ج: ۵، ص: ۴۴۷، ۴۴۸) میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس لوٹڈی کا جواب سن کر رسول اللہ نے نہ صرف اس کی تائید و تصدیق کی بلکہ اسے صاحب ایمان (صاحبہ ایمان، مومنہ) قرار دے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسے آزاد کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ یعنی اس لوٹڈی کا یہ کہنا کہ ”اللہ تعالیٰ ہر جگہ نہیں بلکہ آسمانوں سے اوپر ہے۔“ بالکل درست جواب تھا۔

②..... ”الابانة عن اصول الديانة“ جو اصول و عقائد کی ایک جامع کتاب ہے، اس میں ہے کہ معتزلہ، جہمیہ اور حروریہ (گم راہ فرقے) سے تعلق رکھنے والے لوگ کہتے ہیں کہ اللہ عز و جل کی ذات ہر جگہ ہے اور وہ اہل حق کی طرح اللہ عز و جل کے عرش پر ہونے کے انکاری ہیں۔ اس نظریے کی تردید میں تفصیل سے دلائل ذکر کر کے سب سے آخر میں معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

①..... سیدنا معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میری لوٹڈی اُحد اور جوانیہ کی جانب بکریاں چرایا کرتی تھی۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک بھیڑ یا ایک بکری کو اٹھا لے گیا۔ میں ایک انسان تھا، مجھے بھی عام لوگوں کی طرح افسوس ہوا (اور غصہ آیا، تاہم مجھے برداشت کر لینا چاہیے تھا) لیکن میں نے اسے ایک تھپڑ دے مارا۔ (مجھے بعد میں بہت پکھتاوا ہوا) اور مجھے اپنا یہ عمل بہت شاق گزرا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا میں اسے آزاد نہ کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”(پہلے) تم اسے میرے پاس لے کر آؤ۔“ میں اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ ”اللہ کہاں ہے؟“ اس نے جواب دیا: اوپر۔ آپ نے پوچھا، کہ ”میں کون ہوں؟“ وہ بولی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”تم اسے آزاد کر دو۔ بے شک یہ (لوٹڈی) ایمان دار ہے۔“

یہ حدیث امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح (کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلوة) میں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا (کتاب العتق والولاء، باب ۶، باب ما یحوز من العتق فی الرقاب الواجبة) میں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے (باب الکلام فی الصلوة، حدیث: ۱۲۱۹/ج: ۱،

”وَهَذَا يُدَلُّ عَلَى أَنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ عَلَى عَرْشِهِ فَوْقَ السَّمَاءِ -“ [الابانہ، ص: ۳۲۰-۳۵]

”اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات اقدس آسمان سے اوپر عرش پر ہے۔ (ہر جگہ نہیں ہے۔)“
 (۴)..... نیز کتاب الاعتقاد علی مذہب السلف اہل السنۃ والجماعۃ، للبیہقی رحمہ اللہ میں ”باب القول فی الاستواء“ میں مصنف نے بہت سی آیات و احادیث ذکر کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے۔

”ہم نے جو آیات ذکر کی ہیں ان میں جمیہ کے اس قول کی تردید ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے ہر جگہ پر ہے۔ باقی رہا اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ تو اس میں اس کی معیت علم کے لحاظ سے ہے ذات کے لحاظ سے نہیں۔“ [الاعتقاد، ص: ۴۱-۴۳]

(۵)..... امام الموحدین شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ نے قاضی ابوبکر الباقانی کی کتاب ”الابانہ“ سے نقل کیا ہے کہ

”اگر کوئی کہے کہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ ہے؟ تو اس کے جواب میں اس سے کہا جائے گا کہ معاذ اللہ! (اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ نہیں) بلکہ وہ تو اپنے عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے خود اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿الرحمن على العرش استوى﴾ [طہ: ۲۰، ۵۸]“ [الفتاویٰ الحمویۃ الکبریٰ، ص: ۵۸]

(۵)..... نیز عقیدہ توحید کے بارے میں امام الموحدین شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی کتاب التوحید کی شرح فتح المجید کے صفحہ ۵۱۴ پر ہے: ”دارمی، حاکم اور بیہقی نے صحیح ترین سند سے روایت کیا ہے کہ علی بن الحسین بن شقیق فرماتے ہیں: میں نے امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو فرماتے سنا کہ:

ہم اپنے رب کے متعلق جانتے ہیں کہ وہ سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔ اپنی مخلوق سے بائن (الگ، جدا) ہے۔ اور ہم جمیہ (گمراہ) فرقے کی طرح نہیں کہتے۔

دارمی ہی نے بیان کیا ہے کہ امام ابن مبارک رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ ہم اپنے رب کو کیسے پہچان سکتے ہیں؟ فرمایا:

وہ ساتویں آسمان سے اوپر اپنے عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے بائن ہے۔ قبل ازیں امام اوزاعی رحمہ اللہ کا یہ قول بیان ہو چکا ہے کہ ہم اور اکثر تابعین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بائن (جدا) ہے، نیز احادیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے ہمارا اس پر ایمان ہے۔“

(۶)..... یہی مصنف چار سطروں بعد مزید رقم طراز ہیں۔ ”(ابوعمر الطمکنی نے کتاب الاصول میں فرمایا ہے:) مسلمانوں میں سے اہل سنت کا اجماع ہے کہ ارشاد الہی ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ اور اس جیسی دیگر قرآنی آیات میں (معیت) سے اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے اور اس کے استواء کی کیفیت وہی ہے جو وہ چاہے۔ الخ

(۷)..... یہ عبارت کتاب التوحید کی دوسری شرح تیسیر العزیز الحمید کے ص: ۴۴ پر بھی یقیناً موجود ہے۔

(۸)..... اور اس سے قبل ص: ۴۱، ۴۰ پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

”اللہ کی کتاب شروع سے آخر تک، احادیث رسول، صحابہ کرام اور تابعین عظام وائمہ کرام کے تمام اقوال میں یہ بات منصوص طور پر اور کھلم کھلا موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز سے اوپر اور ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔“

اس کے بعد اٹھارہ آیات لکھ کر اپنے موقف کا اثبات کیا ہے، جن میں یہ بات منصوص طور پر یا اشارہ اور مفہوماً بیان ہوئی ہے۔ نیز یہ عبارت فتح المجید ص: ۵۱۱، ۵۱۲ پر بھی ہے۔

(۹)..... استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر حافظ ثناء اللہ صاحب مدنی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا..... چنانچہ یہ عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے بلکہ اس کی قدرت ہر جگہ موجود ہے؟ اس سلسلے میں صحیح عقیدے کی وضاحت مطلوب ہے۔

اس سوال کے مفصل جواب میں حافظ صاحب رقم طراز ہیں:

”ہمارے ائمہ جیسے سفیان، مالک، حماد بن سلمہ اور حماد بن زید، سفیان بن عیینہ، الفضیل، عبداللہ بن مبارک، احمد بن حنبل اور اسحاق رحمہ اللہ یہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ عرش کے اوپر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے اور وہ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ وہ راضی، ناراض ہوتا ہے۔ جس شے کے ساتھ چاہتا ہے کلام کرتا ہے۔ ان نصوص سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے۔ کما یلیق بجلالہ البتہ اس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔

﴿وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾

[الطلاق: ۶۵: ۱۲]

جملہ اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔ اس کا خلاف (یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے کا عقیدہ رکھنا) الحاد اور گم راہی ہے۔

(اتہی) وَاللَّهُ الْهَادِي لِلصَّوَابِ

[فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ، ج: ۱، ص: ۱۸۶-۱۸۹]

⑩..... الشیخ محمد بن جمیل زینو رحمہ اللہ کا ایک کتابچہ ہے ”عقیدتک من الكتاب والسنة“ جس کا اردو ترجمہ شیخ الحدیث حافظ عبدالستار الحمد رحمہ اللہ کے قلم سے ”اصلاح عقیدہ“ کے عنوان سے جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت، نے شائع کیا ہے۔ اس کے ص: ۱۰ پر ایک سوال ”اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟“ کے جواب میں لکھا ہے:

”اللہ تعالیٰ آسمان پر عرش کے اوپر ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ [طہ: ۲۰: ۵]

”رحمن نے عرش پر قرار پکڑا۔“

⑪..... مفتی اعظم مملکت عربیہ سعودیہ ساحتہ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے ”العقیدۃ الصحیحۃ وما یضادھا“ اس کا اردو ترجمہ شیخ عبدالحق ندوی کے قلم سے صحیح اسلامی عقیدہ اور اس کے منافی امور کا ص: ۱۷، پیش نظر ہے۔ اس میں ہے:

”امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم اپنے رب کو اس حیثیت سے جانتے ہیں کہ وہ اپنی مخلوق سے جدا آسمانوں کے

اوپر عرش پر ہے۔“

⑫..... شیخ محمد بن اسحاق انصاری مدنی غنی عنہ، اپنے کتابچے ”عقیدۃ السلف الصالح“ میں عقیدہ نمبر ۳ کے تحت لکھتے ہیں:

”اللہ رب العزت عرش پر مستوی ہے اپنی ذات کے ساتھ، البتہ اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔ نہ تو اس کی تشبیہ بیان کی جاسکتی ہے اور نہ مثال دے کر ہی سمجھایا جاسکتا ہے۔ اپنے عرش پر مستوی ہونے کے متعلق قرآن کریم میں خود فرماتا ہے:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ [طہ: ۲۰: ۵]

(ملاحظہ ہو صحیح عقائد اردو ترجمہ عقیدۃ السلف الصالح از عبدالمعتمد عبدالباقی

رحمہ اللہ، ص: ۸)

⑬..... شیخ محمد بن جمیل زینو کے ایک اور رسالے کا اردو ترجمہ بھارت کے ایک صاحب علم مولانا لایت محمد بستوی نے ”اسلامی عقیدہ، کتاب وسنت کی روشنی میں“ کے نام سے کیا ہے، اس میں ہے:

”میری ایک نوجوان مسلمان سے ملاقات ہوئی جو کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے۔ میں نے اس سے کہا اگر تمہاری مراد ذات باری تعالیٰ ہے تو یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ اس لیے کہ فرمان الہی ہے:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ [طہ: ۲۰: ۵]

اور اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی دید و شنید اور علم کے لحاظ سے ہمارے ساتھ ہے تو یہ صحیح ہے۔“ [ص: ۲۲]

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ معیت کا صحیح مفہوم:

امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”اس امر کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ﴾ ”کہ وہ تمہارے ساتھ ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی معیت کی متعدد صورتیں ہیں:

①..... اللہ جل ثناءہ نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے فرمایا:

﴿إِنْنِي مَعَكُمْ﴾ [طہ: ۴۶: ۴۶]

”بلاشبہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔“

یہاں اس سے اس کی مراد ہے کہ میں تم دونوں (موسیٰ اور ہارون

علیہا السلام) کا دفاع کرنے میں تمہارے ساتھ ہوں۔

②..... نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ثَانِيًا اِثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا

تَخَونَنَّ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [التوبة: ۹: ۴۰]

”وہ دو میں سے دوسرا تھا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا غم نہ کر یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

فرمایا: اللہ ہمارے ساتھ ہے یعنی ہمارا دفاع کرنے کے لحاظ سے۔

③..... نیز فرمایا:

﴿كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً ۚ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ [البقرة: ۲۴۹]

”کتی ہی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب رہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“
یہاں اللہ تعالیٰ کی معیت سے مراد ہے کہ دشمن کے خلاف ان (صابرین) کی مدد کرنے میں وہ ان کے ساتھ ہے۔

④..... نیز ارشاد ہے:

﴿فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا اِلَى السَّلَامِ وَاَنْتُمْ الْاَغْلَوْنَ

وَاللّٰهُ مَعَكُمْ﴾ [محمد: ۴۷: ۳۵]

”چناں چہ تم سستی نہ کرو اور صلح کی طرف نہ بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔“

یہاں اللہ تعالیٰ کی معیت سے مراد ہے کہ وہ دشمن کے خلاف تمہاری مدد کرنے میں تمہارے ساتھ ہے۔

⑤..... نیز ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ﴾ [النساء: ۴: ۱۰۸]

”یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنی حرکات اور کرتوتوں کو نہیں چھپا سکتے اور وہ ان کے ساتھ ہی ہے۔“

یہاں اللہ تعالیٰ کی معیت سے مراد ہے کہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہے۔

⑥..... نیز ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعَيْنِ قَالَ اَصْحَبُ مُوسٰى اِنَّا

لَمُدِّدُوْكَوْنَ ۝ قَالَ كَلَّا اِنَّ مَعِيَ دَبِيْ سَيِّهْدِيْنَ﴾

[الشعراء: ۶۱، ۶۲]

”جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے بالمقابل آئیں تو اصحابِ موسیٰ نے کہا ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہرگز نہیں، بلاشبہ میرا رب میرے ساتھ ہے۔“
یہاں اللہ تعالیٰ کی معیت سے مراد ہے کہ فرعون کے مقابلے میں مدد کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔

[الرد على الجهمية والزنادقة، ص: ۵۴]

اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ ہونے کا عقیدہ جمیہ (گم راہ لوگوں) کا ہے۔
امام احمد رحمہ اللہ آگے فرماتے ہیں:

فلما ظهرت الحجة على الجهمي بما ادعى على الله انه مع خلقه في كل شيء غير مماس رشي ولا مباین له فقلنا [كتاب مذکور، ص: ۵۴]

”جہمی نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو دعویٰ کیا کہ اللہ ہر چیز میں اپنی مخلوق کے ساتھ ہے وہ کسی چیز کے ساتھ ملا ہوا بھی نہیں اور نہ کسی چیز سے جدا ہے تو ہم اس سے کہیں گے۔“ الخ
واللہ الہادی الی سواء السبیل

پروفیسر مولانا عبید السلام (سرگودھا) کی وفات

مفتی جماعت اہل حدیث، حضرت مولانا مفتی محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ (سرگودھا) کے فرزند پروفیسر مفتی عبید السلام ۱۴ جنوری بروز اتوار وفات پا گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم ایک ملن سار، سادہ مزاج شخصیت تھے۔ ان کی نماز جنازہ مولانا حافظ عبدالوہاب روپڑی نے پڑھائی۔ سینکڑوں احباب نے جنازے میں شرکت کی۔ احباب وقارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ [ادارہ]

آداب فتاویٰ ۲

احتیاط اور تقاضے

حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (م: ۷۵۱ھ)

ماخوذ از فتاویٰ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام صاحب بستوی

فائدہ ۳۰:

مفتی کو یہ بھی جائز ہے کہ سائل کے سوال سے زیادہ جواب دے۔ یہ بھی اس کی کامل خیر خواہی، پورے علم اور بہترین رہنمائی کی علامت ہے۔ اس پر جو لوگ طعنہ زنی کرتے ہیں اس کی وجہ صرف ان کے علم کی کمی، ان کے احساس کی تنگی اور ان کی خیر خواہی کی قلت ہے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے: من اجاب السائل باكثر مما ساله کہ ”جو شخص سائل کو اس کے سوال سے زیادہ جواب دے“ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث بیان کی ہے:

إِنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ: مَا يَلْبَسُ الْمُحْرَمُ؟ فَقَالَ: «لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا السَّرَاوِيلَ وَلَا الْبُرْنَسَ وَلَا تَوْبًا مَسَّهُ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ فَإِنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخَفَيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُونَا تَحْتَ الْكُعْبَيْنِ»

[حدیث رقم: ۱۳۴]

”محرم کیا پہنے؟ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کرتا نہ پہنے، عمامہ نہ باندھے، پانچامہ نہ پہنے، ٹوپی نہ پہنے، ورس (گھاس کی ایک قسم جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں) اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا بھی نہ پہنے، موزے یا جرابیں نہ پہنے۔ ہاں اگر جوتیاں نہ ہوں تو ٹخنے کے نیچے تک کی جرابیں/ موزے استعمال کر سکتا ہے اس سے بڑی ہوں تو انھیں کاٹ دے۔“

خیال فرمائیے کہ سوال یہ ہے کہ محرم کیا پہنے؟ جواب یہ ہے کہ کیا کیا نہ پہنے، ضمناً کیا پہنے؟ اس کا جواب بھی ہو گیا اور ساتھ ہی اس سے زیادہ

یہ بیان بھی ہو گیا کہ کیا کیا نہ پہنے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ نہ پہننے کی چیزیں تو گنتی کی ہیں اور پہننے کی چیزوں کی گنتی دراز ہونے کی وجہ سے احاطہ میں لانی مشکل ہے، پس دونوں قسم بیان فرما دیں۔ ساتھ ہی جرابوں کا مسئلہ بھی تفصیل سے دونوں شقوں سمیت سمجھا دیا۔ ٹھیک اسی طرح جب حضور ﷺ سے سمندر کے پانی سے وضو کرنے کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔“

فائدہ ۳۱:

مفتی کی سمجھ داری اور خیر خواہی میں یہ بھی داخل ہے کہ جب اس سے کوئی شخص کوئی مسئلہ پوچھے اور یہ اس کے جواب میں اس چیز سے اسے روکے جب کہ وہ اس کا حاجت مند ہے تو اسے چاہیے کہ اس کے بدلے کی کوئی اور چیز جو جائز ہو اسے بتلا دے تاکہ وہ اپنی حاجت مندی اس جائز چیز سے پوری کر لے اور ناجائز چیز سے بچ جائے۔ یہ کام ان علماء کا ہے جن کے دل امت کی خیر خواہی کے جذبات سے پُر ہوں، ساتھ ہی علم بھی کامل ہو، خدا سے اجر کے امیدوار ہوں اور اپنے علم کے عامل ہوں۔ ان علماء کی مثال ان طبیبوں جیسی ہے جو مریض کے پورے خیر خواہ ہوتے ہیں، نقصانات سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور نفع دینے والی چیزیں اسے بتلاتے ہیں اسی طرح سے یہ دینی و روحانی طبیب ہیں۔

صحیح حدیث میں ہے کہ

«مَا بَعَثَ اللَّهُ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيْرٍ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ، وَيَنْهَاهُمْ عَنْ شَرٍّ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ»

”اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھیجا اس کے ذمہ حق تھا کہ اپنی امت کی بھلائی کے لیے جو بات وہ جانتا ہے وہ اپنی امت کو بتلا دے اور جس چیز کو امت کے حق میں برا جانتا ہے اس سے بھی اسے مطلع کر دے۔“

پس جب انبیائے کرام کے اخلاق کی یہ بلندی ہے تو رسولوں کے جو صحیح معنی میں خلفاء ہیں اور ان کے بعد ان کے سچے وارث ہیں ان کی بھی یہی شان ہوتی ہے (اور ہونی چاہیے)۔ میں نے اپنے شیخ (امام ابن تیمیہ) رحمہ اللہ کو بھی اسی طرح پایا، ان کے فتاویٰ موجود ہیں آپ دیکھئے ہر جگہ یہی شان نمایاں پائیں گے۔

چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول خدا ﷺ اس سے تو روکتے ہیں کہ ایک صاع بہترین کھجوریں دو صاع روڑی کھجوروں کے بدلے فروخت کریں، لیکن ساتھ ہی جائز طریقہ بھی بتلاتے ہیں کہ روڑی کھجوروں کو درہموں کے بدلے بیچ ڈالو پھر ان درہموں سے جیسی کھجوریں چاہو خرید لو۔

عبدال مطلب بن ربیعہ بن حارث اور فضل بن عباس حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ مال زکوٰۃ پر ہمیں عامل بنایے تاکہ کچھ مال ہمیں حاصل ہو اور اس سے ہم اپنا نکاح کر سکیں۔ تو آپ ﷺ نے انھیں اس سے تو منع فرمایا اور حمیہ بن جزمہ کو جنس پر مقرر تھے حکم دیا کہ انھیں کچھ رقم دے دو جس سے ان کے نکاح ہو جائیں۔ پس دیکھئے کہ ایک حرام طریق سے انھیں ہٹایا اور اس کے عوض حلال ذریعہ بتایا۔ یہ دراصل اقتدا ہے اللہ رب العالمین وحدہ لا شریک لہ کی کہ بندہ جب اس سے اپنی کسی حاجت کے پورا ہونے کی دعا مانگتا ہے، اور وہ حاجت اس کے حق میں کسی اور لحاظ سے بری ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تو پورا نہیں فرماتا البتہ اس سے زیادہ نفع والی اور اس سے بہتر اصلاح والی چیز اسے عطا فرماتا ہے، یہ ہے غایتِ کرم و حکمت۔

فائدہ ⑤:

مفتی کو یہ بھی چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو حکم کی دلیل اور اس کی اصلیت بھی بتا دے، سوال کرنے والوں کو خالی ہاتھ اور بے دلیل ہی نہ چھوڑ دے۔ ایسا کرنے والے تنگ دل اور کم علم ہوتے ہیں۔ آپ ذرا رسول

کریم ﷺ کے فتوؤں کو دیکھئے حالاں کہ آپ کا محض فرمان ہی اپنی ذات سے مستقل دلیل ہے تاہم آپ دیکھیں گے کہ آپ ﷺ عموماً حکم کی حکمت، اس کی نظیر اور اس کی مشروعیت کی وجہ پر ضرورتاً تنبیہ فرمادیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ سے سوال ہوا کہ کیا ترکھجوروں کو سوکھی کھجوروں کے بدلے بیچنا جائز ہے؟ تو آپ ﷺ نے پوچھا: ”ترکھجور خشک ہونے تک کچھ گھٹ جاتی ہے؟“ لوگوں نے کہا: ہاں گھٹی تو ضرور ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کو یہ قطعاً معلوم تھا کہ ترکھجور خشک ہو کر وزن میں ضرور کم ہو جاتی ہے پھر بھی اس بات کو جو دریافت فرمایا یہ اس لیے کہ اس کی ممانعت کی وجہ لوگوں کی سمجھ میں آجائے۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینے کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: ”اگر تم کلی کر کے پانی منہ سے نکال دو تو کیا اس سے روزے میں کچھ نقصان ہوگا؟“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس سے بھی گویا آپ نے بوسے کے جائز ہونے کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا کہ ممنوع چیز کے مقدمے (ابتدائی کام) کے لیے یہ ضروری اور لازم نہیں کہ وہ بھی ممنوع ہی ہو۔ بوسہ گویا جماع کا مقدمہ ہے، جماع کی حرمت سے اس کی حرمت لازم نہیں آتی جیسے کہ پانی کو منہ میں لینا پانی پینے کا مقدمہ ہے لیکن وہ حرام نہیں۔

اسی طرح حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ کسی عورت کو اس کی پھوپھی پر اور اس کی خالہ پر نکاح میں نہ لایا جائے اگر تم نے ایسا کیا تو صلہ رحمی قطع ہو جائے گی۔ پس حکم بتلا کر حرمت کی علت کی تنبیہ کر دی۔

حضرت ابوالنعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے ایک خاص لڑکے کو غلام دے دیا تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ”کیا تجھے یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے کہ تیری سب اولاد تمہاری برابر خدمت کرے؟“ انھوں نے کہا: ہاں ضرور۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرتے رہو۔“

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ اچھا نہیں“ ایک روایت میں ہے کہ ”درحقیقت میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔“ دوسری روایت میں ہے کہ ”جاؤ کسی اور کو گواہ رکھ لو“ مطلب اجازت دینا نہیں تھا

بلکہ ڈانٹ ہے کیوں کہ جب یہ کام ظلم ہے تو اس کی اجازت آپ کیسے دیں گے۔ الغرض حکم کی علت و حکمت کا اشارہ حضور نے کر دیا۔

اسی طرح جب رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کل ہم دشمن سے ملیں گے، ہمارے ساتھ چھریاں نہیں، کیا ہم تیز بانس سے ذبح کر لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”جو چیز خون بہا دے اور اس کے ذبح پر نامِ خدا لے لیا جائے اسے کھالو۔ ہاں دانت اور ناخن سے ذبح نہیں ہو سکتی، اس کی وجہ بھی میں بیان کر دیتا ہوں۔ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حشیوں کی چھری ہے۔“

پس ان دونوں سے ذبح نہ کرنے کی علت آپ نے واضح کر دی کہ ایک تو ہڈی ہے ہڈیوں سے ذبح کرنا درست نہیں یا تو اس لیے کہ بعض ہڈیاں نجس ہوتی ہیں، یا اس لیے کہ پھر وہ مومن جنات کے مطلب کی نہیں رہیں گی۔ ناخن سے ذبح کرنا جھشی کافروں کا شعار ہے اور ان سے تشبیہ ممنوع ہے۔

اسی طرح فرمان ہے کہ ”اللہ اور اس کا رسول ﷺ تمہیں پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرماتے ہیں کیوں کہ وہ نجس ہیں۔“ یہاں بھی وجہ حرمت ظاہر فرمادی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی باغ کے پھل خریدے پھر آفت آسمان سے وہ ضائع ہو جائیں تو آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ”فرض کرو پھل ہوتا ہی نہ تو کیا کر لیتے؟ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا مال ناحق کس بنا پر کھا جاتا ہے۔“ یہاں بھی سبب بیان فرمادیا۔ بعینہ یہی معاملہ اس صورت میں بھی ہوگا کہ کوئی شخص زراعت کے لیے زمین اجرت پر لے پھر کسی آسمانی آفت سے کھیتی برباد ہو جائے تو اجرت پر زمین دینے والے سے ہم بالکل یہی بات کہیں گے اور یہی ٹھیک ہے، اسی کو شیخ الاسلام رحمہ اللہ پسند فرماتے ہیں۔

الغرض خود وہ پیغمبر ﷺ جن کا قول دلیل شرع ہے امت کو احکام کی علتیں، ان کے درجے اور ان کے اسباب بتلادیا کرتے تھے، اسی طرح آپ کے وارثوں کو بھی یہی چاہیے۔ دیکھئے کنکرا چھالنے سے منع فرماتے ہوئے فرمایا کہ ”اس سے آنکھ پھوٹ جاتی ہے اور دانت ٹوٹ جاتا ہے۔“ آپ ﷺ کے پاس مقدمہ آتا ہے کہ اس نے میرے دانت توڑ دیے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ میری انگلیاں کاٹے کھا رہا تھا، میں نے جھکا دے کہ اس کے منہ سے اپنا ہاتھ نکالا، اس میں اس کے دانت جھڑ گئے تو آپ ﷺ

نے اس کے دانتوں کا کوئی بدلہ اس سے نہ دلایا اور ساتھ ہی فرمایا کہ ”کیا یہ اپنا ہاتھ تیرے منہ میں رہنے دے کہ تو اونٹ کی طرح اس کا ہاتھ چبائے؟“ یہاں بھی آپ ﷺ نے وجہ بتلادی کہ اس کے جس عضو کو برباد کرنا چاہتا تھا اس نے بچانا چاہا۔ اس میں اُسے نقصان پہنچا تو یہ اُسی کا قصور ہے، اس کا بدلہ نہیں دلایا جائے گا۔ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ الغرض مفتی کو چاہیے کہ مسائل کے سامنے حکم کی علت کا اظہار کر دے، اس کی اصل ظاہر کر دے۔ اگر وہ خود بھی دلیل اور اصل نہیں جانتا پھر تو اسے فتویٰ دینا بھی حرام ہے۔ خود قرآن نے بھی بہت سی مثالیں قائم کی ہیں جن میں علت و مدار کو ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً فرمانِ خدا ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ طَقُلْ هُوَ أَذَىٰ فَاعْتَزِلُوا
النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ﴾ [البقرة: ۲۲۲]

”لوگ تجھ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ تم کہہ دو کہ وہ گندگی ہے پس حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو۔“ یہاں علت حکم کا بیان حکم سے پہلے موجود ہے۔ اسی طرح فرمان ہے کہ ﴿مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَمَىٰ لَا يَكُونُ دُولَةً ۚ بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾ ”جو مال ہستی والوں کا اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بغیر لڑے دلادے تو وہ اللہ تعالیٰ کا اور رسول ﷺ کا ہے، نیز (رسول کے) قربت داروں کا، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا ہے تاکہ تم میں سے مال داروں کے قبضے میں ہی نہ رہ جائے۔“ [الحشر: ۵۹]

اسی طرح فرمان ہے کہ ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً ۚ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [المائدة: ۵] ”چور مرد و عورت کے ہاتھ کاٹ دو یہ بدلہ ہے ان کے کہ توت کا، یہ سزا ہے اللہ کی طرف سے، اللہ تعالیٰ عزت و حکمت والا ہے۔“

اسی طرح ﴿لِيُذَيِّقَ وَبَالَ أَمْرِ﴾ الخ کے الفاظ سے احرام والا شکار کھیل لے تو اس کے بدلے کا حکم دے کر وجہ بیان فرمائی کہ یہ اس لیے کہ وہ اپنے کام کا وبال چکھ لے۔ [جاری ہے]

اسلامی مہینے اور ان کا تعارف ۲

مولانا محمد ارشد کمال

صفر المظفر:

’صفر‘ اسلامی سال کا دوسرا قمری مہینا ہے۔ یہ صفر (بالکسر) سے ماخوذ ہے۔ اس میں ’ص‘ اور ’ف‘ دونوں مفتوح (زبر کے ساتھ) ہیں۔ علاوہ ازیں یہ لفظ بھی مذکر ہی استعمال ہوتا ہے اس کی جمع اصفار ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کے معنی خالی کے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے:

«..... أَنْ يَرُدَّ هُمَا صَفْرًا» [ابوداؤد، رقم: ۱۴۸۸]

یعنی ”اللہ تعالیٰ کو شرم آتی ہے کہ اپنے سے مانگنے والے کو خالی ہاتھ لوٹائے۔“

ماہ صفر کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے علامہ سخاوی لکھتے ہیں:

سُمِيَ الصَّفَرُ بِذَلِكَ لِخُلُوقِ بَيُوتِهِمْ مِنْهُ، حِينَ يَخْرُجُونَ لِلْقِتَالِ وَالْأَسْفَارِ، يُقَالُ صَفِرَ الْمَكَانُ إِذَا خَلَا - [بحوالہ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت نمبر ۳۶ سورۃ التوبہ]

”صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں عموماً عرب لوگ جنگوں اور تجارتی سفروں کے لیے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوتے اور ان کے گھر خالی ہو جاتے، جب گھر خالی ہو تو عرب کہتے ہیں: ”صَفِرَ الْمَكَانُ“

ماہ صفر کے ساتھ ”مظفر“ یا ”خیر“ لگانے کی وجہ: عام طور پر صفر کے ساتھ مظفر یا خیر کا لفظ لگایا جاتا ہے۔ یعنی کہا جاتا ہے: ”صفر المظفر“ یا ”صفر الخیر“ اس کی وجہ یہ ہے کہ مظفر کے معنی کامیابی و کامرانی والی چیز کے ہیں اور خیر کے معنی بھلائی کے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں صفر کے مہینے کو منحوس تصور کیا جاتا تھا اور آج بھی اکثر بے علم لوگ اسے منحوس بلکہ آسمان سے بلائیں اور آفتیں نازل ہونے والا مہینا سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ اسلامی اعتبار سے اس مہینے سے کوئی نحوست وابستہ نہیں۔ چنانچہ

احادیث مبارکہ میں اس مہینے کے ساتھ نحوست وابستہ ہونے کی سختی کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔ اس لیے صفر کے ساتھ مظفر یا خیر کا لفظ لگا کر ”صفر المظفر“ یا ”صفر الخیر“ کہا جاتا ہے تاکہ اس کو منحوس اور شر و آفت والا مہینا نہ سمجھا جائے بلکہ کامیابی والا، بامراد اور خیر کا مہینا سمجھا جائے اور اس مہینے میں انجام دیے جانے والے کاموں کو نامراد اور منحوس سمجھنے کا تصور اور نظریہ ذہنوں سے نکل جائے۔

ماہ صفر سے بدشگونی لینے کی تردید: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا عَدْوَى، وَلَا طِيْرَةٌ، وَلَا هَامَةٌ، وَلَا صَفَرٌ»

[بخاری، رقم: ۵۷۱۷، مسلم، رقم: ۲۲۲۰]

”کوئی بیماری (خود بخود) متعدی نہیں ہوتی، نہ بدشگونی لینا جاتا ہے، کوئی پرندہ منحوس نہیں اور نہ ماہ صفر سے بدشگونی لینا ہی درست ہے۔“

ماہ صفر اور ”نسی“ کی رسم: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا النَّسِيَّ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحْلِلُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ لِيُوقُوا عَذَابَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحْلِلُوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ طُرُيقًا لَّهُمْ سَوْءٌ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾

”در اصل مہینوں کو آگے پیچھے کرنا کفر میں زیادتی ہے جس کے ذریعے وہ لوگ گمراہ کیے جاتے ہیں جنہوں نے کفر کیا، ایک سال اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال حرام کر لیتے ہیں تاکہ اس گنتی کی موافقت کر لیں جو اللہ نے حرام کیے ہیں پھر اللہ نے جو حرام کیے ہیں انہیں حلال کر لیں، ان کے برے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیے گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ

کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ [التوبة: ۹: ۳۷]

عرب میں پہلے سے یہ معمول چلا آ رہا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے یعنی ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ربیع خاص ادب و احترام کے مہینے شمار ہوتے تھے۔ ان چار مہینوں کو اَشْهُرُ حُرُم کہا جاتا تھا یعنی ایسے مہینے جو انتہائی قابل احترام اور عظمت والے ہیں۔ ان میں خون ریزی اور جنگ و جدال قطعاً بند کر دیا جاتا تھا۔ عرب لوگ اس زمانے میں حج و عمرہ اور تجارتی کاروبار وغیرہ کے لیے امن و امان کے ساتھ آزادی سے سفر کر سکتے تھے۔ ان میں کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل سے بھی چھیڑ چھاڑ نہ کرتا تھا۔ اسلام کے آنے سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت و جہالت حد سے بڑھ گئی اور باہمی جدال و قتال میں بعض قبیلوں کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا تو ”نسبی“ کی رسم نکالی گئی یعنی جب کسی زور آور قبیلے کا ارادہ محرم کے مہینے میں جنگ کرنے کا ہوتا تو ایک سردار اعلان کر دیتا کہ اس سال ہم نے محرم کو ”اشہر حرم“ سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا ہے۔ پھر اگلے سال کہہ دیتا کہ اس مرتبہ پرانے دستور کے مطابق محرم کا مہینا حرام اور صفر کا مہینا حلال رہے گا۔ اس طرح وہ سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے لیکن ان کی تعیین میں اپنی خواہش کے مطابق رد و بدل کرتے رہتے تھے۔ گویا جاہلیت کے زمانے میں کافروں کے کفر اور گمراہی کو بڑھانے والی ایک چیز یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے حلال یا حرام کیے ہوئے مہینے کو بدل ڈالنے کا حق ایک سردار کو سونپ دیا گیا تھا۔ اس کفریہ رسم پر گرفت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

ربیع الاول:

یہ اسلامی سال کا تیسرا قمری مہینا ہے۔ اسے ربیع الاول بھی کہا جاتا ہے۔ امام فراء کہتے ہیں: یقال: الاول، ردا علی الشهر، والاولی ردا (علی) ربیع۔ [الشماریخ: ۳۹] یعنی ”اسے لفظ ’شہر‘ (مہینا) پر لوثائیں تو (اس کے مذکر ہونے کی بنا پر) الاول کہا جائے گا اور اگر ’ربیع‘ پر لوثائیں تو (ربیع کی مؤنث ہونے کی وجہ سے) ’الاولی‘ کہا جائے گا۔“ اس میں رد مفتوح (زبر کے ساتھ) ب مکسور (زیر کے ساتھ)

اور می ساکن ہے۔ اس کی جمع اربعاء، رباع اور اربعة آتی ہے۔ ربیع الاول کو دور جاہلیت میں خوان بھی کہا جاتا تھا۔

ربیع کا معنی ہے: موسم بہار یعنی سردی اور گرمی کے درمیان کا موسم، یا موسم بہار کی بارش۔ ایک طویل حدیث پاک کے الفاظ ہیں:

«..... أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي» [احمد: ۱/ ۳۹۱]

”اے اللہ! قرآن کو میرے دل کی بہار بنا دے۔“

ایسے ہی ربیع کا لفظ چھوٹی نہر، موسم بہار کی گھاس اور سرسبز پودوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ [القاموس الوجید: ۱/ ۵۹۳] تو ربیع الاول کا معنی یہ ہوا کہ موسم بہار کا پہلا مہینا۔

علامہ سخاوی ماہ ربیع کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

سمى بذلك لارتباعهم فيه، والارتباع: الاقامة في

عمارة الربيع - [تفسير ابن كثير حوالہ ایضاً]

”[مختلف سفروں کے بعد] عرب لوگ اس مہینے میں موسم بہار گزارنے کی غرض سے گھروں میں اقامت اختیار کر لیتے تھے۔

اور عربی میں لارتباع کے معنی موسم بہار میں قیام کرنے کے

ہیں۔ (اسی مناسبت سے اسے ربیع سے موسوم کر دیا گیا۔)“

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب ابتداء میں اس مہینے کا نام رکھا گیا تو اس وقت موسم ربیع کی ابتدا تھی، اس لیے یہ مہینا موسم ربیع کے آغاز میں واقع ہونے کی وجہ سے ربیع الاول یعنی پہلا موسم بہار یا آغاز بہار کے نام سے مشہور ہو گیا۔

ماہ ربیع الاول اور ولادت مصطفیٰ ﷺ: مؤرخین نے ربیع الاول میں رونما

ہونے والے بے شمار واقعات و حوادث کا ذکر کیا ہے جن میں سے نبی مکرم و محترم ﷺ کی ولادت باسعادت اور آپ کا وصال سر فہرست ہے۔

گو آپ کی تاریخ ولادت کے متعلق متقدمین اور متاخرین میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم جمہور علماء نے ربیع الاول ہی کو آپ کی

ولادت کا مہینا قرار دیا ہے۔ [البدایہ والنہایہ: ۳/ ۳۲۰]

جس طرح آپ کی ولادت کے متعلق مہینے کی تعیین میں اختلاف

ہے ایسے ہی تاریخ کی تعیین میں بھی خاصا اختلاف پایا جاتا ہے تاہم زیادہ معروف تین اقوال ہیں۔

پہلا قول: آپ کی پیدائش آٹھ ربیع الاول کو ہوئی۔ چنانچہ علامہ حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ [۲/۲۶۰] میں فرماتے ہیں:

”ایک قول یہ ہے کہ آپ کی تاریخ ولادت آٹھ ربیع الاول ہے۔ یہ قول حمیدی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے، نیز مالک، عقیل اور یونس بن یزید وغیرہ نے بھی یہی قول امام زہری سے انھوں نے محمد بن جبیر بن مطعم سے بیان کیا ہے۔ ابن عبد البر نے مؤرخین سے اس کی تصحیح اور درست ہونا نقل کیا ہے۔ حافظ کبیر محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے بھی اسی قول کو درست قرار دیا ہے اور کتاب ”التنویس فی مولد البشیر والنذیر“ میں حافظ ابوالخطاب بن دحیہ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔“

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ بھی رقم طراز ہیں:

”ایک قول یہ ہے کہ آٹھ تاریخ ہے۔ شیخ قطب الدین قسطلانی فرماتے ہیں کہ اکثر محدثین کے نزدیک یہی قول مختار ہے۔ حضرت ابن عباس وجبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہی قول اکثر ان لوگوں کے نزدیک مختار ہے جو اس حال کے جاننے والے ہیں اور اسی کو حمیدی اور ان کے شیخ ابن حزم نے اختیار کیا ہے اور اسی پر قضاعی نے ”عیون المعارف“ میں اہل سیر کا اجماع نقل کیا ہے اور زہری نے محمد بن جبیر بن مطعم سے یہی روایت کی ہے۔ یہ محمد بن جبیر نسب کے اور ایام عرب کے حالات کے جاننے والے تھے۔“ [اسلامی مہینوں کے فضائل ومسائل ص: ۸۸]

دوسرا قول: آپ ﷺ کی پیدائش نو ربیع الاول کو ہوئی۔ متاخرین میں سے نام ور مؤرخوں اور سیرت نگاروں کی ایک جماعت نے اسی قول کو رائج و مختار قرار دیا ہے، جن میں مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی رحمہ اللہ، [تاریخ اسلام: ۱/۶۷]، معین الدین ندوی رحمہ اللہ، [تاریخ اسلام: ۱/۲۵]، علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ، سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ، [سیرۃ النبی: ۱/۱۰۰]، قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ، [رحمۃ للعالمین: ۱/۳۵] مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ، [قصص القرآن: ۴/۱۹۰] اور عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب [سیرت الرسول: ۲۶] وغیرہ شامل ہیں۔ سیرت نبوی پر دنیا بھر میں اول انعام یافتہ کتاب ”الرحیق المختوم“ کے مؤلف مولانا

صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ بھی نو ربیع الاول ہی کو آپ کی تاریخ ولادت قرار دیتے ہیں۔ [الرحیق المختوم: ۸۳]

”تاریخ دُول العرب والاسلام“ میں محمد طلعت عرب نے بھی نو ربیع الاول ہی کو صحیح قرار دیا ہے۔ نیز تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے دلائل ریاضیہ سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت نو ربیع الاول بروز دوشنبہ بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۰ء کو ہوئی تھی۔

[حاشیہ اٹلس سیرت نبوی: ۹۲، ۹۳]

تیسرا قول: آپ ﷺ کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ علامہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ یہ بات محمد بن اسحاق نے بیان کی ہے اور مصنف میں ابن ابی شیبہ نے عفان سے انھوں نے سعید بن میناء سے اور انھوں نے سیدنا جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ عام الفیل میں بروز سوموار بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے، اسی روز مبعوث ہوئے اسی روز معراج ہوئی، اسی دن ہجرت کی اور اسی دن فوت ہوئے۔ جمہور کے نزدیک یہی مشہور تاریخ ہے، واللہ اعلم۔“ [البدایہ والنہایہ: ۲/۲۶۰]

اس سلسلے میں اور بھی کئی اقوال ہیں، مثلاً:

❀ دس ربیع الاول: اسے علامہ ذہبی کے شیخ ابو محمد میاطی نے صحیح

قرار دیا ہے۔ [تاریخ الاسلام للذہبی: ۱/۴]

❀ دور ربیع الاول: یہ قول محمد بن سعید نے ابو معشر نجیح بن عبد الرحمن

المدنی کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ نیز حافظ ابن عبد البر نے ”الاستیعاب (۱/۱۰)“ اور ابن کثیر نے ”البدایہ والنہایہ (۲/۲۶۰)“ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

❀ سترہ ربیع الاول: شیعہ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کا یوم

ولادت سترہ ربیع الاول ہے جیسا کہ مسعود خان خاکی نے ماہنامہ ”البشیر“ لاہور کے ہادی انسانیت نمبر میں اپنے مضمون ”چودہ معصومین“ میں لکھا ہے کہ فقہ جعفریہ کے علماء کے نزدیک طے شدہ تاریخ ولادت سترہ ربیع

الاول ہے۔ نیز علامہ ابن کثیر نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی دوسرے اقوال ہیں جن کے بیان سے یہ چند سطور قاصر ہیں۔

تاریخ ولادت میں اختلاف کی وجہ: جب بھی کوئی انسان پیدا ہوتا ہے تو (اللہ کے سوا) کسی کے علم میں نہیں ہوتا کہ یہ کیسی زندگی گزارے گا، کیا کیا کارنامے انجام دے گا، کون کون سی صفات حمید یا غیر حمیدہ سے متصف ہوگا۔ یہ تو اُس کی عملی زندگی کے آغاز سے ہی پتا چلتا ہے اور عموماً زندگی مکمل ہونے کے بعد لوگ اُس کے بارے میں زبانی یا تحریری طور پر اظہار خیال کرتے ہیں اور دیوان تیار ہونے لگتے ہیں۔ بعینہ جتنے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے، ظاہر ہے کہ اُن کی پیدائش ہوئی مگر کسی کو حتیٰ کہ اُن کے والدین تک کو علم نہیں تھا کہ ہمارے ہاں نبی پیدا ہوا ہے، اور نہ کسی نے ان کو اس حوالے سے ہدیہ تبریک ہی پیش کیا کہ آپ کے ہاں پیغمبر کی ولادت باسعادت ہوئی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ قرآن مجید میں حضرات آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ وغیرہ انبیائے کرام علیہم السلام کے قصص کی ضروری تفصیل ذکر ہوئی ہے مگر ان کی تاریخ ولادت کا قطعاً ذکر نہیں ہوا۔ حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور یحییٰ علیہم السلام کی ولادت کا ذکر تو ہوا ہے مگر یہ تفصیل کہیں نہیں کہ ان کی پیدائش کس تاریخ کو، کس مقام پر اور کس گھڑی ہوئی۔

یہی صورت حال رسولِ کرم ﷺ کی ولادت کی ہے کہ دنیا میں آپ کی تشریف آوری کے موقع پر آپ ﷺ کا سارا خاندان خصوصاً اور اہل مکہ عموماً بہت خوش تھے مگر اس لیے نہیں کہ پیغمبر کی ولادت ہوئی ہے۔ بلکہ اس لیے کہ سردار عبدالمطلب کے انتہائی چہیتے فرزند عبد اللہ (جن کی قربانی کی سردار عبدالمطلب نے نذر مانی تھی۔) کے ہاں..... جو کہ چند ماہ پہلے وفات پا گیا تھا..... ایک بیٹا پیدا ہوا ہے، اور بس۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے کچھ ہی پہلے واقعہ فیل پیش آیا تھا جس میں قدرت کے خفیہ ہاتھ ہی کار فرما تھے، مگر آنحضرت ﷺ کی ولادت کے حوالے سے اس واقعے کی حکمت سے کوئی شخص بھی آگاہ نہیں تھا۔ لوگ یہ تو جانتے تھے کہ محمد بن عبد اللہ عام الفیل..... واقعہ فیل والے سال..... میں پیدا ہوئے مگر تاریخ اور مہینے میں اختلاف واقع ہوا۔

مزید برآں یہ کہ اگر واقعاً ایسی تاریخوں کی اسلام میں اتنی اہمیت ہوتی جتنی عام لوگ سمجھتے ہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور بالضرور نبی کریم ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھ لیتے تاکہ یہ اختلاف دور ہو جاتا یا اللہ تعالیٰ خود ہی اسے کتاب اللہ میں بیان کر کے لوگوں کو آگاہ فرمادیتا۔ نیز آپ کی تاریخ ولادت کے حوالے سے امت کے لیے کوئی خاص حکم وابستہ ہوتا تو اللہ رب العزت اس کی حفاظت کا ضرور کوئی خاص اور خاطر خواہ انتظام فرمادیتا۔

اگر نبی معظم ﷺ، صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین کے سنہرے دور میں تاریخ ولادت کے حوالے سے امت کے لیے کوئی حکم وابستہ ہوتا (جیسا کہ آج کل بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی کے نام سے جشن کا اہتمام ہوتا ہے) تو تاریخ ولادت میں یہ اختلاف سرے سے موجود ہی نہ ہوتا۔ لہذا جب اس میں یہ اختلاف ہے اور شدید اختلاف ہے تو معلوم ہوا کہ عہد صحابہ و تابعین میں اسے کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی ورنہ یہ اختلاف نہ ہوتا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ جب عید میلاد النبی کی یہ مزمومہ بدعت ایجاد ہوئی تو پہلے پہل اسے آٹھ ربیع الاول کو منایا گیا پھر اگلے سال بارہ ربیع الاول کو یہ جشن منایا گیا۔ [وفیات الاعیان لابن خلکان: ۳/۲۷۳]

غور کریں کہ آج دنیا کے ہر کونے میں ادنیٰ درجے کے مسلمان کو بھی یہ بات معلوم ہے کہ عید الفطر یکم شوال کو اور عید الاضحیٰ ذوالحجہ کی دس تاریخ کو ہوتی ہے۔ اس میں امت مسلمہ کے درمیان دو یا چار یا اس سے زیادہ آراء کبھی نہیں پائی گئیں۔ کیوں کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا متعینہ تاریخوں میں منایا جانا نبی ﷺ کے دور مسعود سے متواتر چلا آ رہا ہے۔ اگر بارہ ربیع الاول کو ایک تیسری عید کا بھی وجود ہوتا تو یقیناً اس کا ثبوت بھی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی طرح متفقہ ہوتا۔

حافظ عبد الاعلیٰ لکھتے ہیں: ”جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جشن میلاد کی دور نبوت اور زمانہ خیر القرون میں کبھی سوچ پیدا ہی نہیں ہوئی تو اس کی دلیل بہت مضبوط ہے۔ آپ دیکھئے کہ سیرت نگاروں میں آنحضور ﷺ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ طبری وابن خلدون ۱۲ ربیع الاول بتاتے ہیں۔ ابوالفداء کا خیال دس ربیع الاول ہے جب کہ بعض مؤرخین ۹ ربیع الاول ثابت کرتے ہیں۔ اس اختلاف سے یہ نتیجہ بسہولت

اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگر عید میلاد منانے کا مسئلہ شرعی ہوتا تو تاریخ ولادت میں اختلاف کیوں ہوتا؟ [جشن میلاد کی شرعی حیثیت، ص: ۶۸]

اختلاف میں حکمت: اگر غور کیا جائے تو اس اختلاف میں حکمت یہ نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی رحمت ﷺ کی ذات گرامی کو بدعت جشن میلاد کی زد میں آنے سے بچانے کا ارادہ فرمایا ہے کہ جس تاریخ کو یہ میلاد مناتے ہیں اس میں تو آپ کی ولادت ہوئی ہی نہیں تھی۔ جس طرح اللہ نے اپنی نبی کے یوم وفات سے اہل بدعت کا رخ پھیر دیا ہے کہ جس تاریخ کو یوم ولادت مناتے ہیں، اس تاریخ کو تو آپ کی ولادت ہوئی ہی نہ تھی۔ اب یہ لوگ جس تاریخ کو میلاد مناتے ہیں وہ تو آپ کی وفات کا دن ہے۔ اللہ کی حکمت یہ ہوئی کہ ایک تو نبی ﷺ کی ذات اس بدعت اور ہلڑ بازی کا براہ راست نشانہ بننے سے بچ گئی۔

ملاحظہ فرمائیے اللہ کی قدرت و حکمت کی گہرائی و گیرائی۔

[جشن میلاد کی شرعی حیثیت بہ تصرف، ص: ۶۸]

ماہ ربیع الاول اور وفات مصطفیٰ: امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أما اليوم الذي مات فيه رسول الله ﷺ فلا خلاف بين أهل العلم بالأخبار فيه أنه يوم الاثنين من شهر ربيع الأول، غير أنه اختلف في أي الاثنين كان موته ﷺ فقال بعضهم في ذلك ما حدثت عن هشام بن محمد بن السائب عن أبي مخنف، قال: حدثنا الصَّفْعَب بن زهير عن فقهاء أهل الحجاز فقالوا: قبض رسول الله ﷺ نصف النهار يوم الإثنين ليلتين مضتا من شهر ربيع الأول وبويع أبو بكر يوم الإثنين في اليوم الذي قبض فيه النبي وقال الواقدي: توفي يوم الإثنين لثنتي عشرة ليلة خلت من شهر ربيع الأول ودفن من الغد نصف النهار حين زاغت الشمس وذلك يوم الثلاثاء۔

[تاریخ طبری: ۳/ ۱۹۹، ۲۰۰]

”علماء تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی

وفات ربیع الاول میں پیر کے دن ہوئی مگر یہ کہ یہ اس ماہ کی کس سوموار میں ہوئی؟ اس میں اختلاف ہے۔ اس کے متعلق بعض ارباب سیر نے هشام بن محمد بن سائب سے، وہ ابو مخنف سے، وہ صفعب بن زہیر سے اور وہ فقہائے اہل حجاز کے حوالے سے یہ بات بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دو ربیع الاول پیر کے دن یعنی ربیع الاول کے پہلے پیر کو نصف النہار سے قبل وفات پائی اور اسی دن ابو بکر صدیق کی بیعت کی گئی۔

واقدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بارہ ربیع الاول پیر کے دن یعنی ربیع الاول کے دوسرے پیر کو وفات پائی اور اس سے دوسرے دن منگل کو ٹھیک زوال آفتاب کے بعد دفن کیے گئے۔“

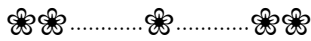
معلوم ہوا کہ ربیع الاول نبی ﷺ کی ولادت اور وفات کا مہینا ہے گو ولادت کے متعلق چند اقوال بھی ہیں مگر وفات کے متعلق سب کا اتفاق ہے کہ وہ ربیع الاول ہی میں ہوئی ہے۔ ہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ وہ ربیع الاول کی کس تاریخ میں ہوئی۔ اس سلسلے میں علامہ ابن کثیر نے چار اقوال بیان کیے ہیں:

① بارہ ربیع الاول، ② دس ربیع الاول، ③ دو ربیع الاول، ④ اور یکم ربیع الاول۔

اور پھر آخر میں ”الروض الانف“ کے مؤلف ابو القاسم سہیلی کے اس قول کا رد کیا ہے کہ بروز پیر بارہ ربیع الاول ۱۱ھ میں رسول اللہ ﷺ کا یوم وفات ناممکن ہے، اور اسے ممکن ثابت کیا ہے۔

[سیرت النبی از ابن کثیر: ۳/ ۱۷۰، ۱۷۱]

قدیم و جدید علماء کی اکثریت نے بھی اسی (بارہ ربیع الاول) کو یوم وفات بیان کیا ہے جن میں محمد بن اسحاق، محمد بن سعد [سیرت النبی: ۳/ ۱۷۰] ابن الاثیر [اسد الغابہ: ۱/ ۹۱] اسی طرح مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی [تاریخ اسلام: ۱/ ۲۰۳]، شاہ معین الدین ندوی [تاریخ اسلام: ۱/ ۲۰۰] علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری [رحمۃ للعالمین: ۱/ ۲۴۶] اور مولانا صفی الرحمن مبارک پوری وغیرہ شامل ہیں۔ [جاری ہے]



فیشن پرستی اور عریانی

ابوعمار عبدالرحمن بلتستانی

أَنْ يُعْرِقَنَّ فَلَا يُؤْذِينَ ط وَ كَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿
”اے پیغمبر ﷺ! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے
اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (جب گھروں سے نکلیں
تو) وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔ اس سے بہت جلد
ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی۔ اور اللہ
تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“ [الاحزاب: ۲۳: ۵۹]

اوپر خواتین کے حوالے سے جس فتنے کی نشان دہی کی گئی ہے اس
سے نبی مکرم ﷺ نے اپنی امت کو آگاہ فرمایا اور خوب خوب ڈرایا تھا۔
مغرب کی اس نقالی میں فیشن پرستی کے رجحان نے مسلم قوم کو تباہی، ذلت
اور پستی میں دھکیل دیا ہے۔ چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عصمت
وعفت کے تحفظ کے حوالے سے چند احادیث مبارکہ با ترجمہ پیش کر دی
جائیں، ہو سکتا ہے پیش کش کسی کی راہنمائی و ہدایت کا ذریعہ ثابت ہو۔

①..... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
«نِسَاءُ كَاسِيَاتٍ عَارِيَّاتٍ مُّيمِلَاتٍ مُّائِلَاتٍ رُّوسُهُنَّ
كَاسِنِمَةِ الْبُسْحَةِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ
رِيحَهَا وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا»
”ایسی عورتیں جو لباس کے باوجود برہنہ، خود توجہ کرنے والیاں
مائل کرنے والیاں، ان کے بال بختی اونٹوں کی کوبانوں کی
طرح ہوں گے، نہ وہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی
خوشبو پائیں گی۔ حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت سے
پائی جاتی ہے۔“ [مسلم: ۲۱۲۸]

②..... ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
«مَا مِنْ امْرَأَةٍ تَخْلَعُ ثِيَابَهَا فِي غَيْرِ بَيْتِهَا إِلَّا هَتَكَتْ مَا
بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ» [ابوداؤد: ۴۰۱۰]
”جس عورت نے اپنے گھر کے علاوہ دوسرے مقام پر لباس

عصر حاضر کے فتنوں میں سے ایک انتہائی خطرناک فتنہ یہ ہے
مسلمانوں کی خواتین اپنے لباس، تراش خراش، زیب و زینت، میک
اپ اور فیشن میں مغربی اقوام کی نقالی کر رہی ہیں، گھروں سے پوری حشر
سامانیوں کے برآمد ہوتی اور ہر کہ وہ کو اپنی طرف متوجہ کرتی چلی جاتی
ہیں۔ اس سلسلے میں اہل ایمان مردوں کو حکم ہوا ہے کہ:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا
أَرْوَاحَهُمْ ذَلِكُمْ أَزْكَى لَهُمْ﴾ [النور: ۲۴: ۳۰]

”مسلمان مردوں سے کہو کہ (گھروں سے نکلیں تو) اپنی نگاہیں
نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی ان کے
لیے سب سے بڑھ کر پاکیزگی ہے۔“

علاوہ ازیں مومن خواتین کو بھی اس سلسلے میں چند ہدایات دی ہیں:
﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ
أَرْوَاحَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ
لِيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ﴾ [النور: ۲۴: ۳۱]
”اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں
اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ
کریں سوائے اس کے جو (خود سے) ظاہر ہے اور اپنے
گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں۔“

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمان مردوں عورتوں کو
یہی حکم فرمایا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت
کریں اور دوسری آیت میں عورتوں کے لیے خاص طور پر فرمایا کہ وہ
اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں۔ بلکہ ایک اور آیت میں
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ
الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكُمْ أَزْكَى

اتار دیا اس نے اپنے اور اللہ کے درمیان پردہ کی بے حرمتی کی۔
یابہ کہ اپنے اور اللہ کے مابین عہد کا پامال کر دیا۔“

(۳)..... اسی طرح جو عورت اپنے گھر کے علاوہ زینت کا اظہار کرے
تو وہ قیامت کی تاریکی کی طرح ہے جس میں نور نہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا:

«مَثَلُ الرَّافِقَةِ فِي الزَّيْنَةِ فِي غَيْرِ أَهْلِهَا كَمَثَلِ ظُلْمَةِ يَوْمِ
الْقِيَامَةِ لَا نُورَ لَهَا» [ترمذی: ۱۱۶۷]

”اپنے گھر کے علاوہ زینت کا اظہار کرنے والی عورت قیامت
کی تاریکی کی طرح ہے جس میں نور نہیں۔“

(۴)..... جب کہ خوشبو لگا کر نکلنے والی عورتوں کے بارے میں
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا اسْتَعْطَرَّتِ الْمَرْءَةُ فَمَرَّتْ عَلَى الْقَوْمِ لِيَجِدُوا
رِيحَهَا فَهِيَ كَذَا كَذَا» [ابوداؤد: ۴۱۷۳]

”جب عورت خوشبو لگا کر کسی قوم سے اس لیے گزرتی ہے کہ وہ
خوشبو محسوس کریں تو وہ ایسی ویسی عورت ہے۔“

(۵)..... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بِخُورٍ فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ
الْآخِرَةَ» [مسلم: ۴۴۴]

”جس عورت نے خوشبو لگا رکھی ہو وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز
میں شریک نہ ہو۔“

(۶)..... اور یہ بھی فرمایا:

«إِذَا شَهِدَتْ أَحَدًا كُنَّ الْمُسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طَبِيبًا»
”تم میں سے کوئی عورت اگر مسجد جانا چاہتی ہو تو خوشبو استعمال
نہ کرے۔“ [مسلم: ۴۴۳]

لیکن افسوس! آج کل خواتین خوشبو کے بغیر گھر سے نکلتی ہی نہیں۔
نیز بازار میں دیکھیں تو تعلیمات نبویہ کے بالکل برعکس مردوں کی شلووار

ٹخنوں سے نیچے اور عورتوں کی شلووار ٹخنوں سے اوپر ہوتی ہے۔ اسی طرح
مردوں کے گلے میں ٹائی کی وجہ سے اُن کی گردن وغیرہ کا کچھ بھی حصہ نظر

نہیں آتا جب کہ عورتوں نے کرتوں کے گلے کھلے چھوڑ رکھے ہوتے
ہیں، نیز نیم عریاں بازوؤں کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ نوجوان طبقہ اپنے بال

لمبے رکھ کر پیچھے کی طرف مینڈھیاں کیے پھرتا ہے جب کہ عورتیں اپنے
بالوں کو یا تو کھلا چھوڑتی ہیں یا کٹواتی ہیں۔

ایسے مردوں اور عورتوں کا مقام اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ
کے ہاں کیا ہے؟ حدیث ملاحظہ فرمائیے:

(۷)..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

«أَنَّ لَعْنَ الْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ وَالْمُتَشَبِّهِينَ
مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ» [ابوداؤد: ۴۰۹۷]

”رسول اللہ نے لعنت کی ہے مردوں کے ساتھ مشابہت کرنے والے مردوں پر۔“
یعنی جو عورت عورتوں کی وضع قطع چھوڑ کر مردانی وضع اختیار کرے اور مرد

مردانی وضع چھوڑ کر عورتوں کی وضع اختیار کرے ان دونوں پر حضرت نے پھٹکار کی
ہے۔ کیوں کہ خدا کی فطرت کو مٹاتے ہیں اور اس کو بدلنا چاہتے ہیں۔ اس

حدیث سے ان مردوں کی بڑی مذمت ثابت ہوتی ہے جو عورت بنتے ہیں اور
زنانہ بھی اختیار کرتے ہیں۔ اسی طرح ان عورتوں کی جو مردانہ بھیس بناتی ہیں۔

(۸)..... جو عورت مردوں کا لباس پہنے اور مرد عورتوں والا لباس
پہنے تو اس پر بھی اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے:

«لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ
لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ، وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ» [ابوداؤد: ۴۰۹۸]

”رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی اس مرد پر جو عورت جیسا لباس
پہنتا ہے اور اس عورت پر لعنت جو مردوں جیسا لباس پہنتی ہے۔“

(۹)..... ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرِفَهَا الشَّيْطَانُ»
”عورت چھپانے کی چیز ہے جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو
اسے شیطان تاکتا ہے۔“ [ترمذی: ۱۱۷۳]

لیکن افسوس! آج کل مرد حضرات گھر کی ہر چیز کی خریداری کے
لیے عورت کو گھر سے باہر بازاروں میں دکانوں پر بھیجتے ہیں حتیٰ کہ مرد خود

اپنا کپڑا وغیرہ بھی خریدنے کے لیے بیوی کو باہر غیر محرم کے سامنے
دکانوں میں بھیج دیتے ہیں تو یہ مردوں کی زنا کی علامت ہے۔

اللہ ہم سب کو ان تمام فتنوں سے محفوظ رکھے، آمین۔

”طالبان“ نام کی حکومت تاریخ میں پہلے بھی ہو گزری ہے!

مولانا عمر فاروق السعدی

شریعت کی بڑی سختی سے پابندی کرتا اور کرتا تھا۔ اس کے زمانے میں جو شخص نماز کی پابندی نہ کرتا قتل کر دیا جاتا تھا۔ اذان کے وقت لوگ مسجدوں میں جمع ہو جایا کرتے تھے۔ اور یہ خود بھی بڑے سکون اور خشوع سے نماز ادا کرتا تھا۔ یہ (منکرات کے رسیا) لوگوں کو قتل کرنے میں بڑا بے باک تھا حتیٰ کہ بعض اوقات کسی چھوٹے گناہ پر بھی قتل کر ڈالتا تھا۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کے تذکرے میں لکھا ہے کہ

۵۵۳ھ میں امیر المومنین عبدالمومن افریقا کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے دیوان میں ایک لاکھ رچٹر ڈشہسوار تھے۔ جب کہ خدام، کارکن اور مختلف صنعتوں کے عمال اور چھوٹی سطح کے لوگوں کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ تھی۔ ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ جب یہ کھیتوں کے درمیان پگڈنڈیوں پر چلتے تو مجال ہے کہ کوئی بالی بھی توڑ جائیں۔ امیر کی بیعت اس قدر تھی کہ ناممکن تھا یہ لوگ کسی کھیت کو روند جائیں۔

اس کے لوگوں کا سامان اور خادین کا قافلہ دو فرسخ (چھ میل) کی مسافت میں چلتا تھا۔ سب لوگ نماز ایک امیر کی اقتداء میں ایک تکبیر کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ کوئی عسکری یا کوئی دوسرا پیچھے نہ رہتا تھا۔

امیر المومنین تمام لشکر سے آگے آگے چلتا تھا۔ اس کے بیٹے کے علاوہ جو اس کا ولی عہد تھا کوئی اور اس کی معیت میں نہ ہوتا تھا۔ حالاں کہ اس کے ہزاروں مسلح غلام موجود ہوتے تھے۔ عمال حکومت میں سے کوئی شخص امیر، یا والی نہ کہلاتا تھا۔ بلکہ انھیں ”طالبان“ کہا جاتا تھا۔ کیوں کہ اس حکومت کی بنیاد علم پر تھی۔ جو لوگ علماء سے کم درجہ ہوتے انھیں ”حفاظ“ کہا جاتا تھا۔ امیر کی اولاد ”سید“ کہلاتی تھی۔ رعیت میں سے جب بھی کوئی اس کے پاس آتا یہ اسے دعا کے ساتھ الوداع کرتا اور حاضرین آئین کہتے تھے۔ لباس میں اس نے ساری زندگی اونی لباس ہی پہنا کیا۔

سفید رچہ روس کی افغانستان پر یلغار کے بعد جب اللہ نے اس کے بچے ادھیڑ دیے تو سفید ہاتھی (امریکا) نے اس پر اپنا تسلط جمانا اور دنیا کی واحد سپر پاور بن کے دکھانا اپنا حق جانا۔ مگر افغان دینی قوتوں نے اسے اپنی غیرت کے خلاف ایک چیلنج قرار دیا، اور اس کے تسلط کو قبول کرنے سے کلمۂ انکار کر دیا۔ یہ لوگ اپنے طور پر ”طالبان“ کہلائے ہیں۔ کیوں کہ بنیادی طور پر یہ دینی درسگاہوں کے فیض یافتگان ہیں۔ ان کی قوت کا کابوس کفر اور کفار کے لیے اس قدر ڈراؤنا ہے کہ دنیا میں جہاں بھی کوئی مسلمان اپنی قومی خودداری اور اپنے تحفظ کے لیے کوئی قدم اٹھاتا ہے تو وہ اسے نام نہاد ”دہشت گردی“ اور ان لوگوں کو ”طالبان“ کا نام دے دیتے ہیں۔ اور جہلاء کو ان کے خلاف اکسانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر حق یقیناً غالب اور باقی رہنے کے لیے ہے اور کفر اور باطل مٹ ہی جانے والا ہے۔

قارئین کرام کو شاید تعجب ہو، تاریخ ہمیں اس سے پہلے بھی ”طالبان“ کی ایک حکومت کا سراغ دیتی ہے۔ ان لوگوں نے بھی موجودہ طالبان کی طرح اسلام اور شریعت ہی کو اپنا نظام عمل قرار دیا تھا اور یہ ہے چھٹی صدی ہجری میں مراکش میں امیر المومنین ابو محمد عبدالمومن بن علی تو مرسی کی حکومت۔ یہ لوگ تاریخ میں ”موحدین“ کے نام سے معروف رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھیں ”طالبان“ اور ”حفاظ“ بھی کہا گیا ہے۔

اس کی وجہ تسمیہ علم، توحید اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے وہ خاص اعمال ہیں جو کفار کے علاوہ موجودہ دور کے نام نہاد روشن خیال مسلمانوں کو بھی نہیں بھاتے۔

عبدالمومن تو مرتی نے ۵۳۷ھ میں مراہعین کی حکومت ختم کر کے مراکش پر اپنا تسلط بجایا۔ یہ شخص ذاتی طور پر بڑا دانا، بہادر اور شجاع تھا۔

امیر المومنین کا معمول تھا کہ صبح کی نماز اوّل وقت میں ادا کرتا، پھر سوار ہو کر اپنے خیمے کے سامنے آ جاتا۔ ایک منادی اعلان کرتا: ”مدد اللہ سے، توکل اللہ پر“..... اس اثناء میں دوسرے سردار بھی اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر آ جاتے، پھر یہ دعا کرتا اور لوگ آمین کہتے۔ پھر قرآن کریم کا ایک حصہ پڑھا جاتا اور لوگ بھی ہم آواز ہو کر پڑھتے جاتے۔

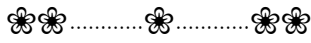
اس سے فارغ ہو کر تمام طالبان (یعنی امراء) اپنے اپنے حلقے میں چلے جاتے اور امیر المومنین اکیلا رہ جاتا۔ اس کی عادت تھی کہ دوران سفر جس کسی قوم پر سے اس کا گزر ہوتا تو انھیں سلام کہتا، دعائیں دیتا اور وہ آمین کہتے۔ عربی زبان پر اسے قدرت حاصل تھی اور فصیح زبان بولتا تھا۔ سخاوت میں گویا سیل رواں تھا۔ اپنی رعیت سے اس نے انتہائی تعریف

پائی گویا ان کا معشوق ہو۔

چہرہ اس کا ہنس مکھ مگر مجلس بڑی پر ہیبت اور باوقار ہوتی تھی۔ مجلس میں چٹائیاں نہیں بچھائی جاتی تھیں، بلکہ لوگ کنکریوں ہی پر بیٹھتے تھے۔ البتہ اس کے نیچے کھجوروں کے پتوں کی چٹائی ہوتی تھی۔ اس کے دور حکومت میں شہر خوب آباد اور پر رونق ہو گئے تھے۔

اس نے بعد میں اندلس پر بھی تسلط حاصل کر لیا تھا اور شمال اندلس کی عیسائی ریاستوں کو فتح کرنے کا عزم رکھتا تھا مگر عمر نے وفات کی اور جمادی الثانی ۵۵۸ھ میں اس نے وفات پائی۔

[حوالہ جات: تاریخ الذہبی، ج: ۳۸، ص: ۲۷، ۲۸، ۲۶۰۔
الحوادث: ۵۵۱، ۵۶۰ھ۔ البدایہ والنہایہ، ج: ۱۲، ص: ۲۳۶۔ تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی، ج: ۳]



مسائل حقہ پر مشتمل سات اشتہارات کا مکمل سیٹ مفت منگوائیں

اور فریم کروا کر مساجد و مراکز میں آویزاں کریں

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے مسائل حقہ پر مشتمل مندرجہ ذیل سات اشتہارات کا مکمل سیٹ بالکل مفت منگوائیں اور اپنے اپنے زیر انتظام مساجد و مراکز میں فریم کروا کر آویزاں کریں۔

- (۱)..... کیا اللہ کے سوا کوئی اور مشکل حل کرنے پر قادر ہے؟ ایک سوال کی دس شکلیں! (۲)..... اہمیت نماز اور بے نماز کا انجام!
 - (۳)..... نماز میں پاؤں سے پاؤں ملانے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت! (۴)..... نماز روزہ کے دائمی اوقات!
 - (۵)..... سورۃ فاتحہ خلف الامام! (۶)..... آمین بالجہر کا ثبوت! (۷)..... اثبات رفع المیدین!
- مذکورہ تمام اشتہارات کا مکمل سیٹ فریم کروا کر آویزاں کرنے کا تحریری وعدہ آنے پر مکمل سیٹ فوراً بھیج دیا جائے گا۔

ڈاک خرچ بھی ادارہ خود برداشت کرے گا، ان شاء اللہ

محمد یسین راہی، مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور، ضلع راجن پور۔ پنجاب پاکستان۔

فون: 0604-567218۔ موبائل: 0333-8556473

اصل سکندر اعظم

جاوید چودھری

بھر کے مورخین کو سکندر اعظم اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فتوحات اور کارناموں کے موازنے کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ بھی سوچئے الیگزینڈر بادشاہ کا بیٹا تھا، اسے دنیا کے بہترین لوگوں نے گھڑسواری سکھائی، اسے ارسطو جیسے استادوں کی صحبت ملی تھی اور جب وہ بیس سال کا ہو گیا تو اسے تخت اور تاج پیش کر دیا گیا۔ جب کہ اس کے مقابلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سات پشتوں میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ بھیڑ بکریاں اور اونٹ چراتے چراتے بڑے ہوئے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے تلوار بازی اور تیر اندازی بھی کسی اکیڈمی سے نہیں سیکھی تھی۔ سکندر اعظم نے آرگنٹزڈ آرمی کے ساتھ دس برسوں میں سترہ لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح کیا تھا جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دس برسوں میں آرگنٹزڈ آرمی کے بغیر بائیس لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح کیا اور اس میں روم اور ایران کی دو سپر پاورز بھی شامل تھیں۔

آج کے سیٹلائٹ، میزائل اور آبدوزوں کے دور میں بھی دنیا کے کسی حکمران کے پاس اتنی بڑی سلطنت نہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نہ صرف گھوڑوں کی پیٹھ پر فتح کرائی تھی بلکہ اس کا انتظام انصرام بھی چلایا تھا۔ الیگزینڈر نے فتوحات کے دوران اپنے بے شمار جرنیل قتل کرائے، بے شمار جرنیلوں اور جوانوں نے اس کا ساتھ چھوڑا، اس کے خلاف بغاوتیں بھی ہوئیں اور ہندوستان میں اس کی فوج نے آگے بڑھنے سے انکار بھی کر دیا۔

لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کسی ساتھی کو ان کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ ایسے کمانڈر تھے کہ آپ نے عین میدان جنگ میں عالم اسلام کے سب سے بڑے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا اور کسی کو یہ حکم ٹالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفے کی گورنری سے ہٹا دیا، آپ نے حضرت

سکندر اعظم کون تھا؟ مقدونیہ کا الیگزینڈر یا تاریخ اسلام کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب دینا دنیا بھر کے مورخین پر فرض ہے۔ آج ”ایس ایم ایس“ کا دور ہے، موبائل میجنگ سسٹم چند سیکنڈ میں خیالات کو دنیا کے دوسرے کونے میں پہنچا دیتا ہے۔ جدید دور کی اس سہولت سے اب قارئین اور ناظرین بھی بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

گزشتہ روز کسی صاحب نے پیغام بھجوایا ”کاش آپ نے آج حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر کالم لکھا ہوتا“ یہ پیغام پڑھتے ہی یاد آیا آج تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یوم شہادت تھا اور میں اس وقت سے سوچ رہا ہوں مقدونیہ کا الیگزینڈر سکندر اعظم تھا یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

ہم نے بچپن میں پڑھا تھا مقدونیہ کا الیگزینڈر بیس سال کی عمر میں بادشاہ بنا، بیس سال کی عمر میں مقدونیہ سے نکلا، اس نے سب سے پہلے پورایونان فتح کیا، اس کے بعد وہ ترکی میں داخل ہوا، پھر ایران کے دارا کو شکست دی، پھر وہ شام پہنچا، پھر اس نے یروشلم اور بابل کا رخ کیا، پھر وہ مصر پہنچا، پھر وہ ہندوستان آیا، ہندوستان میں اس نے پورس سے جنگ لڑی۔ اپنے عزیز ازجان گھوڑے کی یاد میں پھالیہ شہر آباد کیا، مکران سے ہوتا ہوا واپسی کا سفر شروع کیا۔ راستے میں ٹائیفا نیڈ میں مبتلا ہوا اور 323 قبل مسیح میں 33 سال کی عمر میں بخت نصر کے محل میں انتقال کر گیا۔

دنیا کو آج تک بتایا گیا وہ انسانی تاریخ کا عظیم جرنیل، فاتح اور بادشاہ تھا اور تاریخ نے اس کے کارناموں کی وجہ سے اسے الیگزینڈر دی گریٹ کا نام دیا اور ہم نے اسے سکندر اعظم یعنی بادشاہوں کا بادشاہ بنا دیا۔ لیکن آج اکیسویں صدی کے نویں سال کے پہلے دن میں پوری دنیا کے مورخین کے سامنے یہ سوال رکھتا ہوں کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے الیگزینڈر کو سکندر اعظم کہلانے کا حق حاصل ہے؟ میں دنیا

حارث بن کعب رضی اللہ عنہ سے گورنری واپس لے لی، آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا مال ضبط کر لیا اور آپ نے محض کے گورنر کو واپس بلا کر اونٹ چرانے پر لگا دیا لیکن کسی کو حکم عدولی کی جرأت نہ ہوئی۔

الیکزینڈر نے سترہ لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح کیا لیکن دنیا کو کوئی نظام، کوئی سسٹم نہ دے سکا جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دنیا کو ایسے سسٹم دیئے جو آج تک پوری دنیا میں رائج ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے عہد میں نماز تراویح کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا، آپ رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی کی سزا مقرر کی، سن ہجری کا اجراء کیا، جیل کا تصور دیا، مؤذنون کی تنخواہیں مقرر کیں، مسجدوں میں روشنی کا بندوبست کرایا، پولیس کا محکمہ بنایا، ایک مکمل عدالتی نظام کی بنیاد رکھی، آب پاشی کا نظام قائم کرایا، فوجی چھاؤنیاں بنوائیں اور فوج کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے دنیا میں پہلی بار دودھ پیتے بچوں، معذوروں، یتیموں اور بے آسراؤں کے وظائف مقرر کیے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے دنیا میں پہلی بار حکمرانوں، سرکاری عہدیداروں اور والیوں کے اثاثے ڈکلیئر کرنے کا تصور دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بے انصافی کرنے والے ججوں کو سزا دینے کا سلسلہ بھی شروع کیا اور آپ نے دنیا میں پہلی بار حکمران کلاس کی اکاؤنٹیلٹی شروع کی، آپ رضی اللہ عنہ راتوں کو تجارتی قافلوں کی چوکیداری کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ”جو حکمران عدل کرتے ہیں وہ راتوں کو بے خوف سوتے ہیں۔“ آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان تھا ”قوم کا سردار قوم کا سچا خادم ہوتا ہے“ آپ رضی اللہ عنہ کی مہر پر لکھا تھا ”عمر! نصیحت کے لیے موت ہی کافی ہے“ آپ رضی اللہ عنہ کے دسترخوان پر کبھی دو سالن نہیں رکھے گئے، آپ رضی اللہ عنہ زمین پر سر کے نیچے اینٹ رکھ کر سو جاتے تھے، سفر کے دوران جہاں نیند آ جاتی تھی آپ رضی اللہ عنہ کسی درخت پر چادر تان کر سایہ کرتے تھے اور سو جاتے تھے اور رات کو تنگی زمین پر دراز ہو جاتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے کرتے پر چودہ پیوند تھے اور ان پیوندوں میں ایک سرخ چمڑے کا پیوند بھی تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ موٹا کھردرا کپڑا پہنتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو نرم اور باریک کپڑے سے نفرت تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کسی کو جب سرکاری عہدے پر فائز کرتے تھے تو اس کے اثاثوں کا تخمینہ

لگوا کر اپنے پاس رکھ لیتے تھے اور اگر سرکاری عہدے کے دوران اس کے اثاثوں میں اضافہ ہو جاتا تو آپ رضی اللہ عنہ اس کی اکاؤنٹیلٹی کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ جب کسی کو گورنر بناتے تو اسے نصیحت فرماتے تھے: ”کبھی ترکی گھوڑے پر نہ بیٹھنا، باریک کپڑے نہ پہننا، چھنا ہوا آٹا نہ کھانا، دربان نہ رکھنا اور کسی فریادی پر دروازہ بند نہ کرنا۔“ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ”ظالم کو معاف کر دینا مظلوموں پر ظلم ہے۔“ اور آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ آج انسانی حقوق کے چارٹر کی حیثیت رکھتا ہے کہ ”مائیں بچوں کو آزاد پیدا کرتی ہیں تم نے انھیں کب سے غلام بنا لیا؟“ فرمایا میں اکثر سوچتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں ”عمر رضی اللہ عنہ بدل کیسے گیا“

آپ رضی اللہ عنہ اسلامی دنیا کے پہلے خلیفہ تھے جنھیں ”امیر المؤمنین“ کا خطاب دیا گیا۔ دنیا کے تمام مذاہب کی کوئی نہ کوئی خصوصیت ہے اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت عدل ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جو اس خصوصیت پر پورا اترتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے عدل کی وجہ سے عدل دنیا میں عدل فاروقی رضی اللہ عنہ ہو گیا، آپ شہادت کے وقت مقروض تھے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق آپ کا واحد مکان بیچ کر آپ کا قرض ادا کر دیا گیا، اور آپ رضی اللہ عنہ دنیا کے واحد حکمران تھے جو فرمایا کرتے تھے: ”میرے دور میں اگر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر گیا تو اس کی سزا عمر (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کو بھگتنا ہوگی۔“ آپ رضی اللہ عنہ کے عدل کی یہ حالت تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ کی سلطنت کے درواز علاقے کا ایک چرواہا بھاگتا ہوا آیا اور چیخ کر بولا ”لوگو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا“ لوگوں نے حیرت سے پوچھا ”تم مدینہ سے ہزاروں میل دور جنگل میں ہوتے ہو اس سانحے کی اطلاع کس نے دی“ چرواہا بولا ”جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زندہ تھے میری بھیڑیں جنگل میں بے خوف پھرتی تھیں اور کوئی درندہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا لیکن آج پہلی بار ایک بھیڑیا میری بھیڑ کا بچہ اٹھا کر لے گیا، میں نے بھیڑیے کی جرأت سے جان لیا آج دنیا میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود نہیں۔“^①

میں دنیا بھر کے مؤرخین کو دعوت دیتا ہوں وہ الیکزینڈر کو حضرت

(۱)..... یہ قصہ غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے متعلق ہے نہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق۔ [الاعتصام]

ما سوائے ان مسلمانوں کے جو آج احساسِ کمتری کے شدید احساس میں کلمہ تک پڑھنے سے پہلے دائیں بائیں دیکھتے ہیں، لاہور کے مسلمانوں نے ایک بار انگریز سرکار کو دھمکی دی تھی ”اگر ہم گھروں سے نکل پڑے تو تمہیں چنگیز خان یاد آ جائے گا“ اس پر جواہر لال نہرو نے مسکرا کر کہا تھا ”افسوس آج چنگیز خان کی دھمکی دینے والے مسلمان یہ بھول گئے کہ ان کی تاریخ میں ایک (حضرت) عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھا“ ہم آج بھی یہ بھولے ہوئے ہیں کہ ہم میں ایک (حضرت) عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

”میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب ہوتے۔“

بہ شکر یہ روزنامہ ایکسپریس،

جمعرات ۳ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ، یکم جنوری ۲۰۰۹



عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ کر دیکھیں انھیں الیگزینڈر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حضور پہاڑ کے سامنے کنکر دکھائی دے گا۔ کیوں کہ الیگزینڈر کی بنائی سلطنت اس کی وفات کے پانچ سال بعد ختم ہو گئی جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں جس خطے میں اسلام کا جھنڈا بھجوا دیا وہاں سے آج بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدائیں آتی ہیں۔ وہاں آج بھی لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اللہ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ دنیا میں الیگزینڈر کا نام صرف کتابوں میں سمٹ کر رہ گیا ہے جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بنائے نظام دنیا کے 245 ممالک میں آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ آج بھی جب کسی ڈاک خانے سے کوئی خط نکلتا ہے، پولیس کا کوئی سپاہی وردی پہنتا ہے، کوئی فوجی جوان چھ ماہ بعد چھٹی پر جاتا ہے یا پھر حکومت کسی بچے، معذور، بیوا، یا بے آسرا شخص کو وظیفہ دیتی ہے تو وہ معاشرہ، وہ سوسائٹی بے اختیار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو گریٹ تسلیم کرتی ہے، وہ انھیں تاریخ کا سب سے بڑا سکندر مان لیتی ہے۔

خالد تعداد
پہلیا
پہلیا

خطباء، دعا اور اہل علم کے لیے خوش خبری ڈاک الخطیب

(دوسرا ایڈیشن)

تالیف

ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد

دیدہ زیب ٹائٹل، خوب صورت طباعت، مضبوط جلد، عمدہ کاغذ، دو جلدیں اور انتہائی کم قیمت

..... جلد اول: سال بھر کی مخصوص دینی مناسبتوں کے متعلق خطبات جلد دوم: عقائد و اخلاقیات وغیرہ سے متعلق عمومی موضوعات

..... انداز نہایت علمی اور شستہ متعدد اہل علم کی تقاریض سے آراستہ پہلے ایڈیشن کی مقبولیت کے بعد، دوسرا ایڈیشن سابقہ مطبعی غلطیوں سے بہت حد تک صاف

ملنے کے پتے: نوٹ: کتاب بذریعہ ڈاک نہیں بھیجی جائے گی، خواہش مند حضرات خود شریف لائیں یا کسی کے ذریعے دینی منگوائیں۔

①..... رانا طاہر محمود صاحب، لاہور۔ فون: 0333-4237720

②..... جامعہ دارالحدیث الرحمانیہ، چوکی نمبر 14 ملتان

③..... مولانا رشید علی جامعہ محمدیہ للبنات IT ایریا کو رگنی نمبر 2، فون: 0321-2074601, 0300-2682701, 021-2005291

④..... حافظ نصر اللہ صاحب (ملتان) 0302-3736449

15 جنوری 2009ء..... (65)..... 11 محرم الحرام 1430ھ

تبصرہ کتب

تبصرے کے لیے دو کتب کا آنا ضروری ہے۔

اربعین ثنائی (مجموعہ احادیث)

مرتب: شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری

ترجمہ و تشریح: شیخ الحدیث مولانا محمد علی جاناباز

ضخامت: ۱۱۲ صفحات

قیمت: درج نہیں

ناشر: دارالابلاغ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کسی تعارف کی محتاج شخصیت نہیں۔ آپ ایک جید عالم دین، بہترین و کامیاب مناظر، سیاست دان، مصنف، خطیب و ادیب شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مخلص انسان تھے۔

انسانیت کی بھلائی و خیر خواہی کے لیے علمائے کرام و مصلحین امت نے بڑی کوششیں فرمائی ہیں۔ سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ انسانوں کو خالق کائنات اللہ جل جلالہ کا پیغام پہنچایا جائے۔ اس کے بعد امت کو اس کے نبی ﷺ کا فرمان بھی یاد کروایا جائے تاکہ انسانوں کی دنیوی اور اخروی زندگی خیر و فلاح سے مزین ہو کر رب کریم کے باغات

(جنت) کے حق دار بن جائیں۔ اللہم اجعلنا منہم

زیر تبصرہ کتاب ”اربعین ثنائی“ اُن چالیس احادیث نبوی ﷺ کا مجموعہ ہے۔ جن میں معاشرتی زندگی گزارنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ مولانا امرتسری نے احادیث جمع فرمائی ہیں۔ اس کی تخریج کا فریضہ بھی خوش اسلوبی سے ہوا ہے۔ احادیث کا ترجمہ و تشریح مولانا محمد علی جاناباز مرحوم کے قلم سے ہوا ہے۔ کتاب کے شروع میں برصغیر میں اب تک شائع ہونے والی اربعینیات کا تعارف بھی شامل ہے۔ یہ ایک مفید کتاب

ہے جسے کمپیوٹر پر تیار کیا گیا ہے۔ کارڈ کور ہے۔

اربعین ابراہیمی (مجموعہ احادیث)

مرتبہ از: مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

ترجمہ و تشریح: شیخ الحدیث مولانا محمد علی جاناباز

ضخامت: ۱۳۲ صفحات

قیمت: درج نہیں

ناشر: دارالابلاغ، رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

علامہ حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اہل حدیث اکابر میں سے تھے۔ وہ علم و عمل کے پیکر، خطابت و تبلیغ کے شناور تھے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال مولانا موصوف کے کلاس فیلو تھے۔ دونوں نے علامہ میر حسن سیالکوٹی سے مرے کالج سیالکوٹ میں تعلیم حاصل کی تھی۔

زیر تبصرہ کتاب چالیس احادیث پر مشتمل ہے، اس میں وہ مجموعہ احادیث شامل ہے جس میں اعمال کی فضیلت، حسن نیت سے اعمال پر مداومت اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

مترجم کتاب ہذا حضرت مولانا محمد علی جاناباز (سابق مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ، سیالکوٹ) بڑے فاضل و اجل عالم دین تھے، ان کے قلم گوہر بار سے بے شمار کتب دینیہ و احادیث پر مشتمل بیش بہا خزانہ مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

زیر تبصرہ ”اربعین ابراہیمی“ کا ترجمہ و تشریح بھی انھوں نے آسان و عام فہم اسلوب میں تحریر فرمائی ہے۔ کتاب کے آغاز میں انھوں نے حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کا مختصر تعارف کروایا ہے۔

قاری سعید احمد کی وفات

قاری سعید احمد (فاضل مدینہ یونیورسٹی، سابق استاذ جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ) ۲۲ جنوری ۲۰۰۹ء بروز جمعہ المبارک بعد نماز فجر وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم جامعہ دارالعلوم السلفیہ میرپور خاص شعبہ تجوید کے سابق استاذ تھے۔ ان کی وفات لاڑکانہ ہسپتال میں ہوئی۔

وہ بڑے نیک اطوار انسان تھے۔ ان کی وفات پر جامعہ دارالعلوم السلفیہ کے اساتذہ و طلباء نے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور لواحقین سے اظہار ہمدردی بھی کیا ہے۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

[شیخ الحدیث افتخار احمد سلفی الازہری، میرپور خاص]

قارئین الاعتصام کی خدمت میں گزارش

○ ہفت روزہ الاعتصام ہر ہفتے باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے اور ہر جمعرات کو حوالہ ڈاک کیا جاتا ہے۔

○ جن احباب کا سالانہ زیر تعاون ختم ہو گیا ہو تو انہیں بذریعہ پوسٹ کارڈ مطلع کر دیا جاتا ہے۔

○ اطلاعی کارڈ ملتے ہی احباب اپنا سالانہ زیر تعاون مبلغ ۴۰۰/- روپے بذریعہ نقد/ منی آرڈر/ ڈرافٹ دفتر الاعتصام میں بھیج دیا کریں۔

○ جن احباب کا سالانہ زیر تعاون دفتر میں موصول نہ ہو تو انہیں بذریعہ وی پی پی اطلاعی کارڈ کے ایک ماہ بعد ارسال کیا جاتا ہے۔

احباب وقارئین سے گزارش ہے کہ وہ بروقت زیر تعاون دفتر میں جمع کروا دیا کریں تاکہ ہر ہفتے الاعتصام ان کی خدمت میں باقاعدہ پہنچتا رہے۔ الاعتصام خود بھی پڑھیں اور اپنے دوست، احباب کے نام بھی جاری کروائیں۔ جزاکم اللہ خیراً [منہجر]

چالیس احادیث پر مشتمل مجموعے کو ”اربعین“ کہتے ہیں۔ اس کتاب کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اب تک لکھی جانے والی ”اربعینات“ کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ بلا تفریق مسلک و مشرب اس کتاب میں علماء و محدثین کرام کے ترتیب شدہ مجموعے ”اربعینات“ کی تفصیل جہاں حوصلہ افزا ہے وہاں حدیث کو سمجھنے والوں اور ان اربعینات کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت و عقیدت میں اضافے کی بھی سبیل نظر آ جاتی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز صاحب مرحوم نے ”اربعین ابراہیمی“ کی تشریح و ترجمہ اور راوی الحدیث کا تعارف کروا کے یقیناً عمدہ کام کیا ہے۔ دعا ہے اللہ کریم مرحوم مترجم و شارح اور اس مجموعے کے مرتب حضرت میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کی قبروں کو منور فرمائے اور اس کتاب کو قبول عام سے نوازے، آمین۔ کتاب کمپیوٹر کمپوزنگ اور کارڈ کور ہے۔



قاری عبدالحفیظ صدیقی کو صدمہ

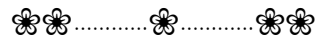
قاری عبدالحفیظ صدیقی صدر اہل حدیث یوتھ فورس ضلع مظفر گڑھ کی والدہ محترمہ گزشتہ دنوں وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحومہ نیک سیرت خاتون تھیں ان کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

[حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاھروی کوٹ رادھا کشن قصور]

مولانا محمد اصغر جوئیہ (ملتان) کو صدمہ

مولانا محمد اصغر جوئیہ متولی جامع مسجد توحید اہل حدیث سبحان کالونی بستی ملوک ضلع ملتان کے، برادر اصغر محمد عاشق ۳۰ دسمبر ۲۰۰۸ء بروز پیر وفات پا گئے۔ قارئین دعائے مغفرت فرمائیں۔

[محمد یاسین شاد، ملتان]



فہرست کتب

۱۹۳۲ء بمطابق ۱۳۵۱ھ

۲۹۷ء ۳۲۱۱ سید منظور حسین نقوی

۷۳۷ نماز جعفریہ بالتصویر، ص: ۱۳۶، افتخار بک ڈپو اسلام پورہ

لاہور

۲۹۷ء ۳۲۱۱ ملک ظہور محمد

۷۳۷ نماز مترجم، ص: ۶۴، ملک انڈسٹریز کشمیر روڈروالپنڈی

۲۹۷ء ۳۲۱۱ مفتی جمیل احمد ندیری

۷۳۵ رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نماز، ص: ۳۹۰، ادارہ

اسلامیات انارکلی لاہور ۱۹۸۹ء

۲۔ مکتبہ العلم اردو بازار لاہور۔ س، ن

۲۹۷ء ۳۲۱۱ عبیدالحق ندوی

۷۳۷ ارکان اسلام مسائل صلاۃ، زکاۃ، صوم، ص: ۳۳۵، المکتبہ

العلمیہ ۱۵ الیک روڈ لاہور ۱۳۵۸ھ

۲۹۷ء ۳۲۱۱ مولوی حکیم نور الدین صاحب

۷۳۷ فصل الخطاب فی مسئلۃ فاتحہ الکتاب، ص: ۱۰۴، مطبع

رگناتھ جموز خاص۔ س، ن

۲۹۷ء ۳۲۱۱ مولانا قاضی نور محمد

۷۳۷ ازالۃ الاوہام عن عدم الفاتحہ خلف الامام مع رد رسالہ دافع

الفساد، ص: ۴۰، انجمن اشاعت التوحید والسنۃ قلعہ دیدار سنگھ

گوجرانوالہ نومبر ۱۹۶۲ء

۲۹۷ء ۳۲۱۱ ایس ایم انور

۷۳۷ واقیہ الصلوۃ، ص: ۱۸، حاجی محمد حسین

۲۹۷ء ۳۲۱۱ محمد وجیہ الدین کلکتہ والے

۷۳۷ نظام الاسلام، ص: ۱۴۲، مکتبہ فاروقیہ گوجرانوالہ ۱۹۸۸ء

۲۹۷ء ۳۲۱۱ محمد ابوسعید الیازبوزی، مترجم: ڈاکٹر خالد ظفر اللہ

۷۳۷ کتاب وسنت کے مطابق نماز، ص: ۱۴۴، مکتبہ اسلامیہ

بھوانہ بازار فیصل آباد ۱۹۹۸ء

۲۔ مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد ۱۹۹۹ء

۲۹۷ء ۳۲۱۱ مسعود احمد

۷۳۷ رفع یدین فرض ہے، ص: ۴۸، ادارہ مطبوعات اسلامیہ

کراچی نمبر ۳۸

۲۹۷ء ۳۲۱۱ مسعود احمد

۷۳۷ مسنون نماز، ص: ۹۶، ادارہ مطبوعات اسلامیہ کراچی نمبر ۳۸

۲۹۷ء ۳۲۱۱ مریم خنساء

۷۳۷ مسائل طہارت اور خواتین، ص: ۴۸، دارالکتب السلفیہ

شیش محل روڈ لاہور

۲۹۷ء ۳۲۱۱ مولانا محمود الحسن

۷۳۷ الايضاح الادلیۃ، ص: ۳۹۶، فاروقی کتب خانہ ملتان۔ س، ن

۲۹۷ء ۳۲۱۱ ابو عبد الرحمن محمد شفیع مسکین

۷۳۷ محمدی نماز، ص: ۴۴۸، اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور۔

جون ۱۹۸۹ء۔ محمدی مسجد اہل حدیث کیرکلاں ٹاؤن شپ لاہور

۱۹۸۳ء

۲۹۷ء ۳۲۱۱ حافظ محمد عبدالکریم مسلم

۷۳۷ قاطع حجۃ الفجار ببیان سنت سیدالابرار، ص: ۷۲، کتب خانہ

مسعودیہ اردو بازار دہلی

۲۹۷ء ۳۲۱۱ مقبول انور داؤدی

۷۳۷ ابتدائی اسلامی اصول اور نماز، ص: ۴۸، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور

۲۹۷ء ۳۲۱۱ سید منور بخاری

۷۳۷ روح نماز، ص: ۳۲، منشورات منصورہ ملتان روڈ لاہور

۲۰۰۴ء

۲۹۷ء ۳۲۱۱ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

۷۳۷ صلوۃ النبی ﷺ، ص: ۱۸۴، ثنائی برقی پریس امرتسر

۲۹۷ء ۳۲۱۱ حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ

ی ۷۷۷ ک کیا عورتوں کا طریقہ نماز مردوں سے مختلف ہے؟ ص: ۶۴

دارالسلام سیکرٹریٹ لاہور

۲۹۷ء ۳۲۱۱ ابی اسماعیل یوسف حسین (مجموعہ ۸ کتب)

ی ۱۵۱ ۱۔ اتمام الخشوع بوضع الیمین علی الشمال بعد الركوع،

ص: ۴۰، مطبع کرزگزرنی دہلی

۲۔ زبدۃ المتقادی، ابی اسماعیل یوسف حسین بن محمد حسین

الخانقوری

۳۔ معارج الوصول، عبدالواحد بن عبداللہ الغزنوی

۴۔ بلوغ السؤل الی طالب معارج الوصول، عبدالواحد عبداللہ

الغزنوی

۵۔ الاربعین، عبدالحق الغزنوی

۶۔ علماء اہل حدیث کا متفقہ فتویٰ کہ شریکۃ الفاظ سے دم جھاڑ

پھونک کرنا حرام اور شرک ہے۔

۷۔ القضاء البقایا فی العطا یا البقایا، عنایت اللہ اثری

۸۔ خطبہ امارت، مولانا عبدالستار

۲۹۷ء ۳۲۱۱ حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ

ی ۷۷۷ مسنون نماز اور روزمرہ کی دعائیں، ص: ۱۶۰، دارالسلام

سیکرٹریٹ لاہور۔ س، ن

روزوں کے بارے میں

۲۹۷ء ۳۲۱۲ حافظ محمد اسلم شاہد روی

(۳۱) الاحکام، رمضان، روزہ اور عید الفطر کے مختصر مسائل،

ص: ۱۶۳، اہل حدیث یوتھ فورس شاہدہ لاہور

۲۹۷ء ۳۲۱۲ سید اقتدار احمد سہوانی

(۶۰) ص صیام الرسول ﷺ، ص: ۳۲، محمدی اکیڈمی محلہ توحید گنج

منڈی بہاؤ الدین۔ س، ن

۲۹۷ء ۳۲۱۲

(۳) رمضان المبارک کی اہمیت اور فضیلت، ص: ۳۲، ادارہ علم

و عمل شاہ لطیف گیٹ ٹنڈو آدم

۲۹۷ء ۳۲۱۲ مولانا محمد امین اثری

(۷۰) روزہ احکام و مسائل، ص: ۱۷۶، کلیۃ البان للدراسات

الاسلامیہ ڈیرہ غازی خان۔ س، ن

۲۹۷ء ۳۲۱۲ مولانا احمد اللہ صاحب محدث دہلوی

(۲۷) م مسائل واحکام رمضان المبارک، ص: ۲۴، دارالدعوة

السلفیہ شیش محل روڈ لاہور

۲۹۷ء ۳۲۱۲ مولانا محمد اعظم

(۵۴) فضائل رمضان، ص: ۴۸، جامعہ تعلیم القرآن والحديث

للبنات گلشن آباد گوجرانوالہ

۲۹۷ء ۳۲۱۲ محمد رفیق الاثری

(۱۹) فضائل و مسائل رمضان المبارک، ص: ۵۶، مکتبہ السنہ

الدار السلفیہ سولجر بازار کراچی نومبر ۲۰۰۲ء

۲۹۷ء ۳۲۱۲ بنت الاسلام

ب ۷۱ ص صیام رمضان وحج بیت اللہ، ص: ۲۴۰، ادارہ بتول سلطان

احمد روڈا چھرہ لاہور ۱۹۷۹ء

۲۹۷ء ۳۲۱۲ عبدالغفار حسن

ح ۴۴ ح حقیقت دعا اور رمضان المبارک، ص: ۴۰، رباط العلوم

الاسلامیہ عالمگیر روڈ کراچی

۲۹۷ء ۳۲۱۲ جمیل زینو

ز ۹۷ ص صیام رمضان فضائل آداب احکام اور قیام، ص: ۳۲،

ادارہ تبلیغ اسلام اہل حدیث جام پور

۲۹۷ء ۳۲۱۲ سعید اقبال قریشی

س ۷۱ ص صیام رمضان، ص: ۲۴، انجمن جامع مسجد رحمانیہ اہل

حدیث اسلامیہ پارک لاہور

۲۹۷ء ۳۲۱۲ میاں محمد یوسف سجاد

س ۳۳ ح حدیث رمضان، ص: ۳۶، ادارہ تعلیمات اسلامی

گوہد پور سیالکوٹ ۱۹۹۷ء



توحید باری تعالیٰ کے بارے میں تقریری و تحریری مقابلہ

عقیدہ توحید اعتقادی اور صرف آخرت کا مسئلہ نہیں بلکہ اس کے انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ توحید نظام کائنات کی بقا کی ضامن اور شرک کائنات کے بگاڑ کا سبب ہے۔ توحید ہی دین کی ابتدا اور انتہا ہے باقی ارکان اس کے تقاضے ہیں۔ اس لیے تمام انبیاء اپنی دعوت کی ابتدا عقیدہ توحید سے کیا کرتے تھے۔ یہ جزوقتی دعوت نہیں بلکہ ہمہ وقت اور ہمہ گیر تحریک ہے۔ یہی پاکستان کی بنیاد ہے۔ **مفت عزیز میں مساجد سے باہر کبھی دفعہ اس تحریک کا آغاز ہوا۔** آپ سے استدعا ہے کہ آپ اپنی اپنی جماعتوں میں رہ کر اخلاقی، تبلیغی تعاون فرمائیں۔ توحید کا شعور اور شرک کے خلاف رائے عامہ بیدار کرنے کے لیے تقریری مقابلہ جات کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ ایمان کی جنگی اور توحید کی معرفت حاصل کرنے کے لیے عظیم الشان مذاکرہ میں شرکت فرمائیں۔ **زیر صدارت**

حافظ مقصود احمد صاحب خطیب مسجد ہذا

مقام: جامع مسجد شاہ اسماعیل شہید سیکٹر 9/4-ا اسلام آباد نزد پنڈورا چوکی بتاریخ: 11 جنوری بروز اتوار 10 بجے دن

مفت صاحبان: مولانا ڈاکٹر سید طالب الرحمن۔ پروفیسر مولانا عبدالرحمن عتیق۔ خصوصی خطاب: ڈاکٹر فضل الہی۔ **کونیٹرک سوالات کا جواب بھی دیں گے۔**
عنوانات: (۱) اللہ تعالیٰ کی صفت اللہ کی جامعیت اور اس کے تقاضے (قرآن مجید میں لفظ اللہ تعالیٰ کی کس کس صفت کے لیے استعمال ہوا ہے۔) (۲) توحید کے انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اثرات (احادیث اور تاریخ کے حوالہ جات سے) (۳) توحید کی اہمیت و فرضیت (ہندو، سکھ، عیسائیت اور بدھ مت کی نظر میں) (۴) شرک کے اخلاقی، معاشرتی اور معاشی نقصانات (قرآن مجید، احادیث اور تاریخ کے مستند حوالوں سے) (۵) دور نبوت میں اہل کد، یہودی اور عیسائی شرک کی کون کون سی اقسام میں مبتلا تھے۔ ہر مقرر کو پندرہ منٹ وقت دیا جائے گا۔
تقریری مقابلہ میں حصہ لینے کے مجاز: (۱) صوبہ سرحد، آزاد کشمیر، راولپنڈی، ڈویژن اور اسلام آباد کے مدارس اور کالج۔ (۲) شریک ہونے والے طلباء اور ادارہ کے ناظم کی تصدیق ضرور لائیں۔ (۳) شرکت کرنے والے حضرات ایک ہفتہ پہلے تحریراً مطلع فرمائیں۔ یاد رہے تمام مسابک کے طلبہ شرکت کر سکتے ہیں۔ البتہ شرائط کا خیال نہ رکھنے والے سے معذرت ہوگی۔
تحریری مقابلہ اور اس کی تاریخ: اس میں علاقہ کی کوئی قید نہ ہے۔ مندرجہ بالا مقالہ جات میں سے کسی عنوان پر مقالہ لکھ کر ساڑھے ۳۰ صفحات پر کمپوز شدہ مکمل حوالہ جات کے ساتھ ۲۵ جنوری تک ہیڈ آفس پہنچانا چاہیے۔ انعامات تقریری مقابلہ کے مطابق ہوں گے۔

دیگر مقابلے اور مذاکرے: گوجرانوالہ، مارچ، لاہور، اپریل، ملتان، ممبئی، ملتان، جون، فیصل آباد، جلال آباد، کراچی، اگست، تفصیلات پروگرام کے مطابق دی جائیں گی۔

انعامات کے ساتھ کتب: اول انعام: 1500، دوم: 1200، سوم: 900۔ (الداعی: میاں محمد نبیل، کونیٹرک و دعوت توحید پاکستان)

رابطہ: (مولانا) کاشف منظور ایم۔ اے 0333-4641685 ہیڈ آفس جامعہ ابو ہریرہ کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور 0333-4566379، 42-5417233

سر دی اور دھند کے موسم میں حرارت ایمانی کا سماں

قرآن و سنت سٹڈی کورسز

- ◎ قواعد تجوید کے ساتھ ناظرہ قرآن مجید کی کلاسز
 - ◎ عربی گرامر کے ذریعے براہ راست قرآن اور حدیث نبوی کی کلاسز
 - ◎ ترجمہ و تفسیر کی خصوصی کلاسز
- آغاز کورس: جمعہ 9 جنوری 2009ء

قرآن ہاؤس 9/2 جیل روڈ (فرسٹ فلور سائل سنٹر) گلبرگ 5 لاہور	دارالسلام 36 لوئر مال، سیکٹر ٹریٹ شاپ، لاہور	الفیصل ٹاؤن (جوڑا پل) 74-ڈی بلاک، جلال سٹریٹ نمبر 2، بہار شاہ روڈ لاہور کینٹ
مغل پورہ سوسائٹی پبلک سکول لاہور	ابرار بزنس سنٹر 46 لوئر گراؤنڈ فلور 25 مین وحدت روڈ لاہور	ماڈل ٹاؤن موڈ (فیروز پور روڈ) این، کے فیکٹ کالج L/14 گلبرگ III لاہور

زیر اہتمام: دار الفلاح پاکستان و پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن

ہیڈ آفس: قرآن ہاؤس 9/2 جیل روڈ (سائل سنٹر فرسٹ فلور) گلبرگ 5 لاہور 0344-4995909، 5871975، 042-8595655

کلام اللہ کے فضائل و محامد علامہ اقبالؒ کی نظر میں

(۲)

آں کتاب زندہ قرآنِ حکیم	حکمتِ او لا یزال است و قدیم
وہ زندہ و پابندہ کتاب قرآنِ مجید	جس کی حکمت لازوال ہے اور روزِ اوّل سے ہے
نسخہٴ اسرارِ تمکینِ حیات!	بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
قرآن اسرارِ زندگی کے ظہور پذیر ہونے کا نسخہ ہے	اور اس کی قوت سے کمزور چیزیں بھی پائیدار ہو جاتی ہیں
حرفِ او را ریب نے تبدیل نے	آیہ اش شرمندہٴ تاویل نے
اس کے الفاظ میں نہ تو کوئی شک ہے اور نہ تبدیلی	اور اس کی آیات میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں
پختہ تر سودائے خام از زورِ او	ترفتد با سنگ جام از زورِ او
کچی عقل اس کے زور سے پختہ ہو جاتی ہے	اور اس کی قوت پا کر جامِ پتھر سے جا ٹکراتا ہے
می بردُ پابند و آزاد آورد!	صیدِ نبداں را بفریاد آورد!
جو اس کا پابند ہو وہ بالکل آزاد ہو جاتا ہے	اور وہ شکاریوں (ظالموں) کو عاجز و بے بس کر دیتا ہے
نوعِ انساں را پیامِ آخرین	حاملِ او رحمۃٴ للعالمین
وہ نوعِ انسانی کے لیے آخری پیغام ہے	اور اس کا لانے والا دونوں جہان کے لیے رحمت